THE ORIGINS OF THE QURAN

Rev Allama William Goldsack

1909

ینابیع القرآن

اصلیت وماہیت اسلام کی تحقیق

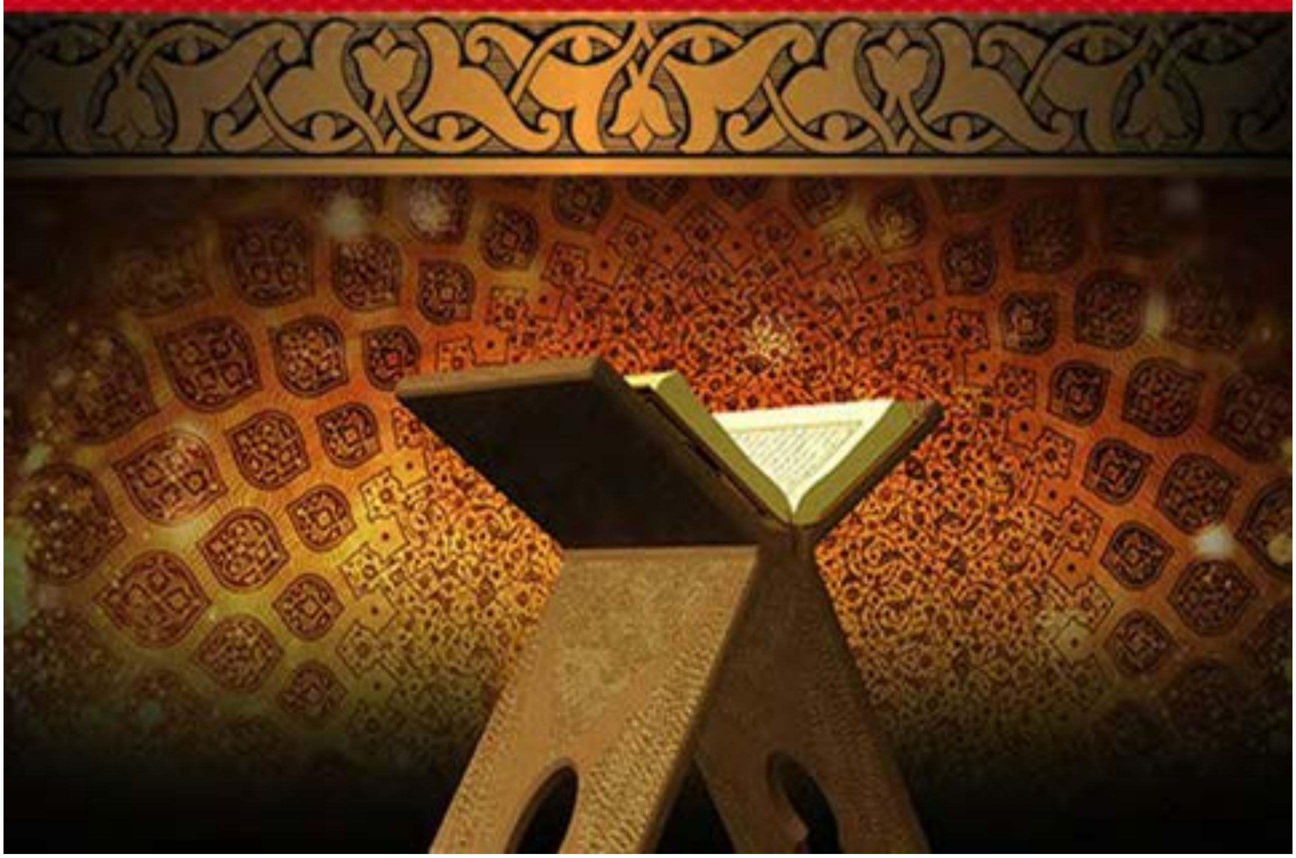

The Origins of the Quran

An Enquiry into the Sources of Islam

By

The Late Rev W. Goldsack

(1871-1957)

ينابيع القرآن

يعنى

اصلیت وماہیت اسلام کی تحقیق

از

علامہ ڈبلیو گولڈسیک صاحب

Christian Literature Society for India,
Punjab Branch, Ludhiana 1909.

جسکو

کرسچن لٹریچر سوسائٹی فار انڈیانے

شائع کیا

9191

فہرست مضامین

ابواب	مضامین	صفحہ
۱	بدوی عقائد ورسوم کا قرآن میں اندراج	۷
۲	یہودی عقائد ورسوم کا قرآن میں اندراج	۱۳
۳	مسیحی عقائد ورسوم کا قرآن میں اندراج	۱۹
۴	قرآن کے وہ حصے جو بروقت حاجت وضع کئے گئے	۲۵

دیباچہ

اس کتابچہ میں کسی طرح کی نئ تحقیق اور جدت کا دعویٰ نہیں بلکہ اس کے بیانات زیادہ تر گائیگر، ٹسڈل، زویمر، میور، سیل اور عماد الدین صاحبان کی تصانیف پر مبنی ہیں۔ اوراس سے غرض یہی ہے کہ اِن محققین کی تحقیقات کاملہ کے نتائج نہایت مختصر اورارزاں صورت میں اہل ہند کے خواندہ اصحاب تک پہنچ جائیں۔

پس اگراس کتابچہ کے وسیلہ سے کوئی محقق مسلمان حضرت محمد کے تعلیم کردہ مذہب کی اصلیت کوزیادہ ترصفائی اور سہولت سے سمجھ لیگا تواس کی تصنیف کا مطلب برآئیگا۔

و۔ گ

تمہید

لفظ "قرآن" عربی مصدر قَرَاَ سے مشتق ہے جس کے معنی پڑھنے یا پڑھا جانے کے ہیں۔ اور یہی لفظ سورہ العلق سے لیا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے پہل یہی سورہ آنحضرت پر نازل ہوئی تھی۔ ابتدا میں یہی لفظ قرآن کے ایک حصہ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں آنحضرت کے تمام وحی والہام کے مجموعہ پر عائد ہو گیا۔ چنانچہ آج کل انہی آخری معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آنحضرت پر قرآن کے نازل ہونے کے باب میں احادیث میں بہت سی عجیب و غریب حکایات مندرج ہیں۔ چنانچہ آپ کی زوجات میں سے عزیز ترین بی بی عائشہ سے یوں روایت ہے کہ "[1]شروع میں جو الہامات آنحضرت کو نصیب ہوئے وہ سب سچے خواب تھے۔ آپ کے خواب صبح وصادق کی مانند راست ثابت ہوتے تھے۔ اس کے بعد آپ تنہائی پسند کرنے لگے اور کوہ حرا کے غار میں منزوی ہو کر شب وروز عبادت میں مشغول ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آخر ایک دن فرشتہ نے آپ پر ظاہر ہو کر کہا "پڑھ" لیکن آپ نے کہا" میں پڑھنا نہیں جانتا"۔ اس پر فرشتہ نے آپ کو پکڑ کر اس قدر دبایا کہ اُس سے زیادہ کی آپ میں برداشت نہ تھی۔ پھر آپ کو چھوڑ دیا اور دوبارہ کہا "پڑھ" آپ نے کہا" میں پڑھنا نہیں جانتا" تب فرشتہ نے دوبارہ آپ کو پکڑ کر اُسی طرح دبایا اور پھر چھوڑ کر کہا "پڑھ" آپ نے پھر کہہ دیا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس پر فرشتہ نے تیسری مرتبہ آپ کو پکڑ کر پھر ویسا ہی دبایا اور کہا" اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ [2] ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے خلق کیا۔ خلق کیا انسان کو لہو کی پھٹکی سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کا استعمال سکھایا۔ انسان کو سکھایا جو کچھ وہ نہ جانتا تھا)۔ تب آنحضرت نے خود ان مندرجہ بالا آیات کو دہرایا اور کانپتے ہوئے بی بی خدیجہ کے پاس واپس آئے اور کہا" مجھے چھپادو!! چنانچہ اُنہوں نے آپ کو کپڑوں میں لپیٹ دیا اور تاوقتیکہ آپ کا خوف دور نہ ہوا لپٹے رہے"۔

اسی قسم کی احادیثی حکایات اور قرآن کے مکرر بیانات پر اہلِ اسلام کے اس عقیدہ کی بنیاد ہے کہ قرآن خدا کا ازلی غیر مخلوق کلام ہے جو حضرت جبرائیل کے وسیلہ سے معجزانہ طور پر حضرت محمد پر نازل ہوا۔ کہتے ہیں کہ قرآن فلک الافلاک پر خدا تعالیٰ کے تخت کے پاس لوح محفوظ پر ازل ہی سے مرقوم تھا اور پھر ماہِ رمضان میں نچلے آسمان پر بھیجا گیا جہاں سے قریباً ۲۳ برس کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے حضرت محمد پر نازل ہوا۔ قرآن اپنی الٰہی اصلیت کے دعویٰ سے بھرا پڑا ہے اور جو اِن دعوؤں کو حق تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں ان کے حق میں بھی قرآن میں بہت سی لعن طعن موجود ہے۔ بخاری شریف اور بعض دیگر راویوں نے ایسی ایسی احادیث جمع کی ہیں جن سے نزولِ قرآن کے مختلف طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ بعد کے مفسرین و مصنفین مثلاً جلال الدین السیوتی وغیرہ نے الہام و وحی کے نزول کے طریقوں کی تقسیم کی ہے۔

---

[1] مشکوات المصابیع

[2] سورہ العلق پہلی پانچ آیات

چنانچہ ان کے نزدیک الہام فرشہ کے وسیلہ سے، القاسے، خواب سے اور براہ راست بلاواسطہ خداوپیغمبر کے باہم ہمکلام ہونے سے ہوتاہے۔ لیکن ہم اس مقام پر ان مختلف طریقوں پر بحث نہیں کرینگے۔ ہم اس صاف حقیقت کا بیان کرتے ہیں کہ اہل اسلام کے عام اعتقاد کے لحاظ سے کل بنی آدم میں سے بیس کروڑ قرآن کو خدا کے منہ کے الفاظ مانتے ہیں۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ازل ہی سے قرآن آسمان پر موجود تھا اور پھر خدا کے برگزیدہ نبی حضرت محمد کے وسیلہ سے دنیا میں بھیجا گیا۔

اس کتابچہ کا مقصد یہی ہے کہ اِس عظیم دعویٰ کو پرکھے اور دریافت کرے کہ قرآن اس الٰہی الہام کے عقیدہ وتصور سے بالکل خالی ثابت ہوتاہے یا نہیں۔ ہر ایک مسلمان کا دل اس قسم کی تحقیق کے خلاف بغاوت کریگا اور وہ ہر گز اس بات کو پسند نہیں کریگا کہ قرآن شریف کے بارہ میں اس طرح کی چھان بین کی جائے۔ لہذا ہم اس مقام پر ایک مسلمان کے الفاظ پیش کرتے ہیں۔ سرسید احمد صاحب اپنی تفسیر بائبل میں لکھتے ہیں کہ "میں کسی طرح سے اس وہمی عقیدہ کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ کتب آسمانی، کتب انبیائے سلف یا قرآن کی صداقت ومنجانب اللہ وغیرہ ہونے کے باب میں تحقیق وتدقیق نہیں کرناچاہیے۔ کیا کوئی یہ خیال کرسکتاہے کہ خدا کی سب سے بڑی برکت یعنی قوتِ استدلال جو انسان کو دی گئی ہے وہ محض بے فائدہ وبے سود ہے اور ہم اُس سے کام نہیں لے سکتے ؟ کیا ہم باقیامِ ہوش وحواس اور صدق عقیدت سے مسیحی یا محمدی ہونے کا اقرار کرسکتے ہیں درحالیکہ ہم اپنے ایمان واعتقاد پر کوئی دلیل نہ رکھتے ہوں؟ جو کتاب ہماری ہدایت ورہبری کیلئے ہم کو دی گئی ہے کیا ہم اُس کو پرکھنے میں اپنی عقل اور اپنے ذہن وفہم کو کام میں نہ لائیں؟ بخلاف اسکے میری بڑی آرزو ہے کہ وہ پاک فرشتے نہایت معقول طورپر باادب آزادگی کے ساتھ خوب پرکھے جائیں"۔

ہر ایک مسلمان کو جسے یہ کتاب پڑھنے کا اتفاق ہولازم ہے کہ سرسید احمد کے قول کے مطابق نہایت ادب اور جائز آزادگی سے اُس کتاب کو پرکھے جس پر اُس کے ایمان کی بنیاد ہے کیونکہ اس کے اس محققانہ امتیاز کے نتائج ابدی ہونگے۔ ہم تو یہ مانتے ہیں اور ثابت بھی کرینگے کہ قرآن محض اُن خلط ملط تعلیمات وحکایات کا مجموعہ ہے جو حضرت محمد کے زمانہ میں عرب میں مروج تھیں اور جن کو آپ نے کسی قدر حسب موقع وحسب مطلب ادل بدل کرکے وقتاً فوقتاً وحی الٰہیٰ کے نام سے پیش کیا۔ اِن حکایات پر کچھ اوامر ونواہی کا بھی اضافہ کیا گیا تھا جو نازک وقتوں میں اشد ضرورتوں کے تقاضے سے وضع کئے گئے۔ لہذا ہمارا ارادہ ہے کہ بالترتیب مباحثِ ذیل پر بحث کریں۔(۱) قرآن کے وہ حصے جو حضرت محمد نے اپنے وقت کے بدوی مذاہب سے بنالئے (۲) وہ حصے جو یہودی اصل کے ہیں اور بائبل وروایات یہود سے لئے گئے ہیں (۳) وہ حصے جو آنحضرت نے اپنے ہمعصر مسیحیوں سے سیکھے اور (۴) قرآن کے وہ حصے جو خاص خاص مواقع پر وضع کئے گئے اور جن سے آنحضرت کی متغائر ومتبائین کارروائیوں کی تائید وتصدیق کی گئی۔

ینابیع القرآن

بابِ اوّل

بدوی عقائد ورسوم کا قرآن میں اندراج

تمام دنیامیں اسلام **من مانا** مذہب کہلا سکتاہے حضرت محمد بانیِ اسلام نے اُن تمام مختلف اور مطلب کی باتوں کو جن تک آپ کی رسائی ہوئی اسلام میں داخل کرلیاہے۔

عموماً یہی خیال کیا جاتاہے کہ ابتدا میں حضرت محمد نے اپنے اہل وطن کے سامنے یہ بڑی حقیقت پیش کی کہ وہ خدا واحد ہے۔ آپ کا یہ دعویٰ تھاکہ توحید الہٰی وحی کے وسیلہ سے آپ کو سکھائی گئی۔ چنانچہ سورہ انعام کی ایک سوچھٹی آیت میں یوں مرقوم ہے "اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ (تو چل اُسی پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب سے۔ کوئی معبود سوائے اُس کے) عرب میں یہودی اور مسیحی موجود تھے جن سے حضرت محمد خدا کی توحید کی تعلیم پاسکتے تھے علاوہ اس کے تواریخِ عرب کی تھوڑی سے واقفیت بتلادیگی کہ حضرت محمد کے زمانہ سے مدتوں پیشتر اہل عرب خدائے تعالیٰ کو جانتے اور اُس کی عبادت کرتے تھے۔ اسلام سے پیشتر کے عربی علم ادب میں "اِلہ" عام طورپر معبود کے معنوں میں استعمال ہوتا تھالیکن "الالہ" جس کا مخفف "اللہ" ہے ہمیشہ خدائے عزوجل وحدہ لاشریک لہ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا چنانچہ **نابغہ** اور **لبید** بت پرست شاعر لفظ "اللہ" انہی معنوں میں بار بار استعمال کرتے ہیں۔ اور مشہور معلقات میں بھی یہی لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا گیاہے۔ پھر ابن ہشام لکھتاہے کہ "قبیلہ قریش کے لوگ "**احلال**" کی رسم ادا کرتے وقت کہا کرتے تھے "اے خدا ہم تیری خدمت میں حاضر ہیں۔ تیرے خوف کے سوائے تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ تیرا ہے اور جو کچھ اُس کاہے وہ بھی تیرا ہے" علاوہ بریں یہی امر بھی قابل یاد ہے کہ کعبہ حضرت محمد سے صدہا سال پیشتر ہی سے بیت اللہ یعنی خانہ خدا کے نام سے مشہور تھا اور پھر حضرت محمد کے باپ کے نام عبداللہ سے بھی ظاہر ہوتاہے کہ اللہ کا بہت استعمال ہوتا تھا۔ سرسید احمد نے اپنی کتاب میں جو قبل از اسلام کے عربوں کے بیان میں ہے اس بات کو صاف ماناہے کہ حضرت محمد سے پیشتر عرب میں خدا پرست فرقے موجود تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "زمانہ جاہلیت میں خدا پرست عربوں کی دو گروہیں تھیں۔ دوسری گروہ کے لوگ سچے خدا کی عبادت کرتے تھے اور، روزِ انصاف وقیامت پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ یہی بھی مانتے تھے کہ روح غیر فانی ہے اور اس زمینی زندگی کے نیک وبد اعمال کے لئے جزاوسزا ملیگی۔ لیکن وہ نہ نبی کو مانتے تھے

اور نہ وحی والہام کے معتقد تھے۔ اسلام سے پیشتر عرب میں چار ایسے خدا پرست فرقے پائے جاتے تھے جو وحی الہام کے معتقد تھے اور جنہوں نے وقتاً فوقتاً خوب رواج پایا وہ صائبین، حنیف، یہودی اور مسیحی کہلاتے تھے"۔ پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت کے ہمعصر اللہ عزوجل سے بے خبر نہ تھے اور آنحضرت کا خود بھی قبل از دعویٰ نبوت یہی حال تھا کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ آپ نے وحی آسمانی سے توحید کی تعلیم پائی۔ ایسی حالت میں کچھ تعجب نہیں اگر عربوں نے کہا [3] أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (پہلے لوگوں کے قصے) سناتے ہو۔ اور جب آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ میرے وحی آسمانی پر ایمان لاؤ تو اُنہوں نے کہا" [4] شَاعِرٌ یعنی آپ شاعر ہیں اور یہ وحی آسمانی نہیں بلکہ آپ کی اپنی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔

آنحضرت کی ولادت سے تھوڑا ہی عرصہ پیشتر فرقہ حنیف نے رواج پایا۔ اس فرقہ کے لوگوں نے بڑی سرگرمی سے اصلاح شروع کی اور بُت پرستی کو بالکل ترک کرکے واحد سچے خدا کی عبادت کرنے لگے۔ ان حق جو اصلاح کنند گان کے پیشوا و سرگروہ ورقہ بن نوفل، عبید اللہ ابن جحش، عثمان ابن الحویرث اور زید بن اعمرو تھے ایک حدیث میں مرقوم ہے کہ "زید نے لقبِ حنیف یوں اختیار کیا کہ ایک مرتبہ ایک مسیحی اور ایک یہودی اُس کو حنیف ہونے کی ترغیب دے رہے تھے۔ زید اس وقت بت پرستی کو چھوڑ چکا تھا اور مسیحی یا یہودی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے پوچھا کہ حنیف کس کو کہتے ہیں؟ اُن دونوں نے کہا کہ حنیف ابراہیم کا مذہب ہے جو سوائے خدا کے کسی اور کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ اس پر زید نے کہا اے خدا میں اقرار کرتا ہوں کہ میں ابراہیمی مذہب کی پیروی کرونگا"۔ ابن ہشام جو آنحضرت کے قدیم ترین اور قابل اعتماد سوانح نگاروں میں سے ہے اپنی کتاب سیرت الرسول میں یوں لکھتا ہے "

فاما ورقة بن نوفل فاستحکم في النصرانية واتبع الكتاب من
اهلها حتّٰى علم علما من اهل الكتاب"

ترجمہ: (ورقہ بن نوفل نے نصرانی ہو کر اُس دین کی کتابوں کو خوب پڑھا یہاں تک کہ اہل کتاب کے بڑے بڑے عالموں میں سے ہو گیا)۔

مسلم محدث لکھتا ہے کہ یہی ورقہ بی بی خدیجہ کا عم زاد بھائی تھا اور اُس نے انجیل کو عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ ان دلچسپ حقیقتوں سے بآسانی ذیل کے ایک دو نتیجے نکل سکتے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت محمد کو ضرور اکثر اوقات ورقہ سے ملاقات اور گفتگو کا موقعہ ملا۔ دوم فرقہ حنیف کے لوگوں سے صحبت رکھنے سے آپ بآسانی تمام توحید الٰہی کی تعلیم پا سکتے تھے۔ لیکن اس میں ذرا شک نہیں کہ آپ کے جس قدر خیالات خدا کے متعلق تھے وہ زیادہ تر انہی لوگوں کی صحبت سے حاصل ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ اسلام کے مناد بنے تو آپ کی تقریروں کا مضمون زیادہ تر یہی تھا کہ میں ابراہیمی مذہب حنیف کا مناد ہو کر آیا ہوں۔ قرآن میں اس کا بار بار ذکر کیا گیا ہے لیکن ہم صرف چند مقام نقل کرتے ہیں۔ سورہ انعام کی ایک سو باسٹھویں آیت میں مرقوم ہے "قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا" (تو کہہ مجھے تو میرے رب نے ملت

---

[3] سورہ الفرقان آیت ۶۔

[4] سورہ طور آیت ۳۳۔

ابراہیم حنیف سچے دین کی راہ راست کی ہدایت فرمائی ہے)۔ پھر سورہ آل عمران کی ۹۵ویں آیت میں لکھاہے "**فَاتَّبِعُواْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا**" اب ابراھیم کے دین کے تابع ہو جاؤ)۔

نہ صرف واحد سچے خدا کا خیال ہی آنحضرت کے ہمعصروں میں موجود تھا بلکہ اس میں بھی کلام نہیں اور کسی طرح کے شک وشبہ کو جگہ نہیں کہ بہت سی رسومِ حج بھی مدتوں سے پیشتر بُت پرست عربوں میں رائج تھیں اگرچہ آپ نے دعویٰ کردیا کہ یہ رسوم بھی آپ نے وحی آسمانی سے سیکھیں۔

مشہور مسلمان مورخ **ابو الفدا** ان حقیقتوں کانہائت صفائی سے معترف ہے اُس کی مشہور تواریخ میں لکھاہے "وہ(اسلام سے پیشتر کے عرب) کعبہ کاحج کیاکرتے تھے اور عمرہ واحرام کی رسوم کو بجالاتے تھے اور طواف بھی کرتے تھے۔ صفاومروہ پر دوڑتے اور پتھر پھینکتے تھے اور ہر تیسرے سال کے آخر میں ایک مہینہ عزلت وزاویہ نشینی میں بسر کرتے تھے۔۔۔ وہ ختنہ کرتے اور چور کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے" **ابو الفدا** کی یہ شہادت کسی طرح سے شک کی گنجائش نہیں چھوڑتی کہ آنحضرت کے زمانہ سے پیشتر ہی سے یہ تمام رسوم اور طہارت ووضو وغیرہ کے طریقے اور دستور جاری تھے۔ آپ نے اُن کو لیا اور حسب موقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ یہ سب کچھ وحی آسمانی کی معرفت پہنچاہے۔ آپ کے صحابہ کو بھی آپ کے موحدانہ دین اور بُت پرستی کی پُرانی رسوم کو تطبیق دینے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ چنانچہ مسلم سے روایت ہے"

قبل عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه الحجر الأسود فقبله، فقال إنی أعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا أنی رأيت النبی صلی الله عليه وسلم يقبلك ما قبلتك.

ترجمہ: (عمران ابن خطاب نے سنگ اسود کو چوما اور فرمایا۔ بخدا میں جانتاہوں کہ تو محض پارہ سنگ ہے۔ اگر میرے سامنے رسول اللہ نے تجھے نہ چوما ہوتا تو میں ہر گز ہر گز تجھ کو نہ چومتا)۔

لیکن حضرت محمد کا سرقہ رسوم وروایات اہل عرب تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آپ کو سیر یا اور دیگر مقامات کے سفر کا اتفاق ہوا اور وہاں اہل فارس اور دیگر اقوام ومذاہب کے لوگوں سے آپ کو سابقہ پڑا۔ اس سے آپ کو جنت وجہنم اور روز انصاف اور سزاو جزا کے متعلق بہت سے خیالات مل گئے جو آپ نے بعد میں کچھ ردوبدل کرکے خاص قریشی عربی میں پیش کئے اور فرمایا کہ یہ سب کچھ جبرائیل آسمان سے لایاہے۔ چنانچہ آنحضرت کا سوانح نگار ابن ہشام ایک شخص سلمان نامی کاذکر کرتاہے جو آخر کار آپ کے صحابہ کرام میں شمار کیا گیا۔ آپ کو اہل فارس کی حکایات وروایات کے سیکھنے کا عرب ہی میں کافی موقع تھا کیونکہ عرب میں اہل فارس کے افسانے مدت سے جاری تھے اور ان کے معتقدات بہت عرصے سے تاثیر کررہے تھے۔ حضرت محمد کے زمانہ سے تھوڑا ہی عرصہ پیشتر فارسی حاکم متواتر حرا، عراق، اور یمن پر حکومت کرچکے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان مہذب فاتح، شاہزادوں کے اطوار واخلاق اور دیگر امور نے اہل عرب پر بڑی تاثیر کی ہوگی چنانچہ اس کا ثبوت اس بات میں صاف نظر آتاہے کہ اہل عرب پر میں فارسی روایات وحکایات خوب مروج تھیں اور فارسی اشعار بہت کثرت سے جاری تھے۔ ابن ہشام کی تصنیف میں اس ایک نہایت صاف مثال موجود ہے۔ یہ مصنف یہ

لکھتاہے کہ ابتدائے اسلام میں نہ صرف فارسی حکایات مدینہ میں رائج ہی تھیں بلکہ اہل قریش قرآنی قصوں سے انکا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ایک دن ناظر ابن حارث نے اہل قریش کے سامنے شاہانِ فارس کی چند حکایات پڑھیں اور بعد میں یوں کہا"

والله ما محمد

باحسن حدیثا منی وما حدیثه الا اساطیر الاولین اکتتبها کما اکتتبتها

ترجمہ:

(بخدا محمد کی حکایات میری حکایات سے کچھ بہتر نہیں ہیں۔وہ محض گذشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے لکھالیاہے جیسے کہ میں نے اپنی کہانیاں لکھ رکھی ہیں)۔روضتہ الاحباب کے مصنف کا بیان اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔چنانچہ وہ لکھتاہے کہ "نبی کی یہ عادت تھی کہ جو کوئی ملاقات کو آتا تھا اُس سے اسی کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔لہذا نتیجہ عربی زبان میں بہت سے فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں جو اس طرح سے داخل ہوگئے"۔

اس تباہی خیز اعتراف سے قرآن کے بہت سے حصوں کے لئے کلید القرآن مل جاتی ہے۔جن حصوں کو سمجھنا بہت مشکل تھا وہ اس اعتراف سے آسان ہو جاتے ہیں کیونکہ بہت سے فارسی الفاظ وعقائد جو قرآن میں پائے جاتے ہیں اُن کو سمجھنے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے۔قرآن میں جو بہشت دوزخ اور موت وقیامت اور روزِ انصاف وغیرہ کے بیان پائے جاتے ہیں اگراُن کا زرتشتی پیدائش عالم سے مقابلہ کیا جائے تو اظہر من الشمس ہو جائے گا کہ حضرت محمد نے یہ سب کچھ اُن فارسیوں سے سیکھا جن سے آپ کو ربط ضبط نصیب ہوا اور بعد میں ان بیانات کو قریشی عربی میں رنگا اور وحی آسمانی کے نام سے اپنے جاہل ہم وطنوں کو سنایا۔ان زرتشتی عقائد وخیالات کا سراغ اُن فارسی الفاظ سے مل سکتاہے جو قرآن میں استعمال کئے گئے ہیں۔کیونکہ اگر کوئی نیا عقیدہ غیر زبان کے الفاظ میں بیان کیاہے تو ضرور وہ عقیدہ اُس غیر زبان کے بولنے والوں کا ہے۔اب یہ بات نہایت ہی تعجب خیز ہے کہ حضرت محمد کی تو قرآن عربی" پکارتے ہوئے زبان خشک ہو جاتی ہے لیکن اُس میں بہت سے غیر عربی الفاظ موجود ہیں اور جن زبانوں سے وہ الفاظ لئے گئے ہیں اُنہی کے بولنے والوں کے عقائد قرآن میں اُن الفاظ کے وسیلہ سے مندرج کر لئے گئے ہیں۔چنانچہ اب ہم اس امر کے ثبوت میں دو تین مثالیں پیش کرینگے۔

ہر ایک مسلمان حضرت محمد کے معراج کے قصہ سے آگاہ ہے۔لیکن یہ عجیب بات ہے کہ قرآن میں اس ماجرائے شگرف کی طرف ایک ہی نہایت مختصر اشارہ پایا جاتاہے۔چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں یوں مندرج ہے "سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا" (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک لے گیا۔جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ اپنی قدرت کے نمونے دکھاویں) پھر اسی سورہ کی ۶۲ ویں آیت میں اسی واقعہ کی طرف اور مختصر سا اشارہ مندرج ہے جیسا کہ لکھاہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلاَّ فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (اور وہ رویا جو ہم نے تجھ کو دکھائی۔لوگوں کو آزمانے کے لئے بہت ہے۔اس آیت کی تفسیر میں مسلمان مفسرین ومحدثین نے اس قدر طول طویل بیانات لکھے ہیں کہ صرف یہی نہیں مانا کہ آنحضرت رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک گئے بلکہ ایک خیالی گھوڑے براق پر سوار ہو کر فلک الافلاک پر پہنچے اور ترقی کے زینہ پر چڑھتے چڑھتے اور مدراج معراج طے کرتے کرتے خدا کی خاص حضوری میں جا پہنچے اور آسمانی راز ورموز میں دخل پایا"۔

یہ حکایت حضرت محمد نے ضرور فارسیوں سے سیکھی تھی کیونکہ اُن کی ایک کتاب بنام "ارداویراف نامہ " Arta' Viraf Namak (Book of Arda Viraf) میں جو آنحضرت سے چارسو برس پیشتر کی تصنیف شدہ ہے ایک حکایت مندرج ہے جو آپ کے معراج کے قصہ سے بالکل مطابقت رکھتی ہے۔ چنانچہ لکھاہے کہ ایک مجوسی معلم **(جو اس کا مصنف ارتائی ویروف ہے[5])** جو کہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا عابد وزاہد تھا ایک فرشتہ کی رہبری سے آسمان پر چڑھ گیا اور خدائے تعالیٰ کے حضور میں پہنچ کر بے پردہ ملاقات کی اور پھر زمین پر واپس آکر جو کچھ آسمان پر دیکھا تھا زرتشتیوں سے بیان کیا۔

پھر حورانِ بہشت کا قرآنی بیان بھی فارسی اصل کا ہے۔ جو لوگ قرآن کو پڑھتے اور سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ قرآن میں جسمانی ونفسانی بہشت کی بڑی خوشرنگ تصاویر پیش کی گئی ہیں ۔ لکھاہے کہ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی حوریں جنت میں تکے لگائے تختوں پر بیٹھی مومنین کا انتظار کررہی ہیں۔ان کا بیان قرآن میں بار بار لکھاہے ۔ لیکن ہم صرف سورہ الرحمٰن سے ایک مقام پیش کرینگے۔ چنانچہ اس سورہ کی ۴۶ویں آیت سے ۷۶ویں تک یوں مرقوم ہے "اور جو کوئی اپنے رب کے آگے کھڑا ہونے سے ڈرا اُس کے واسطے دو جنت ہیں۔ جن میں بہت سی شاخیں ہیں۔اُن میں دو چشمے ہیں۔ان میں قسم قسم کے سب میوے ہیں۔استبرق کے آستر والے بچھونوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے۔اور اُن باغوں کا میوہ جھکا ہوا۔اُن میں عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں۔مومنوں سے پہلے نہ کسی آدمی نے اور نہ کسی جن نے اُن کو اپنے ساتھ سلایا ہے۔ گویا کہ وہ یاقوت ومرجان ہیں۔ نیکی کا بدلہ سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور ان دو باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہیں۔ گہرے سبز ہیں سیاسی مائل۔ اُن میں اُبلتے ہوئے دو چشمے ہیں۔اُن میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں۔اُن میں خوبصورت نیک عورتیں ہیں۔ خیموں میں روکی ہوئی حوریں ہیں جن کو کسی جن وانس نے مومنوں سے پہلے اپنے ساتھ نہیں سلایا۔ خوش وضع وقیمتی بچھونوں اور چاندنیوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے۔

بہت سے مصنفین ثابت کرچکے ہیں کہ حورانِ بہشت کے یہ قصے اہل فارس کی اُن پُرانی روایات سے لئے گئے ہیں جو اُن میں بہشت کی خوبصورت اور آدمیوں کو لبھانے والی عورتوں کی نسبت جاری تھیں۔ حضرت محمد نے بسا اوقات نظم افسانہ میں اُن کا ذکر سنا ہوگا۔ علاوہ بریں لفظ "حور" فارسی لفظ ہے جو کہ پہلوی "ہور" سے مشتق ہے۔اس سے بھی حورانِ بہشت کے بیان کی اصلیت معلوم ہوجاتی ہے۔

قرآن میں جنوں یا بدروحوں کے جو قصے مندرج ہیں اُن کی نسبت بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ فارسی اصل کے ہیں کیونکہ لفظ جن فارسی جینہ سے مشتق ہے اور فارسی لوگوں کی ایسی بہت سی کہانیاں بھی رائج تھیں لہذا یہ خیال بھی اُن ہی سے لے گیا ہے۔

علاوہ بریں زرتشتی روایات اور قرآنی قصوں میں باہم مشابہت کی اور بہت سی باتیں ہیں۔ لیکن اس بات کے ثبوت میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے کہ قرآن میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا منبع وسرچشمہ فارسی روایات ہیں جو حضرت محمد نے وقتاً فوقتاً اُن فارسیوں سے جن سے آپ کا ربط ضبط ہوا اُس نے لفظ "فردوس" بھی جو قرآن میں بار بار استعمال کیا گیا ہے فارسی ہے۔ قرآن میں " صائبین "کا اکثر ذکر آیا ہے اور مورخ ابوالفدا نے اُن لوگوں کا بہت ہی دلچسپ بیان لکھاہے۔ جو باتیں اُس نے بیان کی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ دن میں سات مرتبہ نماز پڑھتے تھے اور اُن کی سات نمازوں کے اوقات میں سے پانچ کے اوقات عین وہی تھے جو اسلامی نمازوں کے ہیں۔ حضرت محمد نے خود بار بار صائبین کا ذکر کیا ہے۔اس سے ثابت

5 https://en.wikipedia.org/wiki/Book_of_Arda_Viraf

ہوتا ہے کہ آنحضرت ان لوگوں سے بہت میل جول رکھتے تھے اور غالباً آپ نے یہ نمازیں جو آج کل تمام اسلامی دنیا میں رائج ہیں اُن ہی لوگوں سے سیکھی تھیں۔

مذکورہ بالا واقعات ایسے مدلل ومبرہن ہیں کہ بڑے بڑے علمائے اسلام نے صاف طور پر ان کی صداقت کو تسلیم کر لیا ہے اور ترکیب و تکمیلِ قرآن کے بارے میں اہل زمانہ کے خیال کی تردید کی گنجائش نہیں پائی۔ چنانچہ سید امیر علی کہتا ہے کہ "اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت کی نبوت کے وسطی زمانہ میں جبکہ ابھی آپ کا ذہن دینی احساس کے کمال کو نہیں پہنچا تھا اور نیز اس امر کی ضرورت تھی کہ بدوی گروہوں کے لئے ان کی سمجھ کے مطابق بہشت ودوزخ کا بیان جسمانی اور مادی صورت میں کیا جائے زرتشتی، صائبینی، طالمودی اور یہودی مروجہ خیالات کو لے کر پیش کر دیا گیا اور فروتنی ومحبت کے ساتھ خدا کی عبادت کی حقیقی اور اصلی تعلیم بعد میں دی گئی۔ چنانچہ حورانِ بہشت اور بہشت کی بنیاد زرتشتی عقائد وروایات پر ہے اور جہنم کا ماخذ طالمود ہے"۔

لیکن اگر یہ باتیں جیسی کہ بیان کی گئی ہیں ویسی ہی حق تسلیم کر لی جائیں تو پھر یہ کیونکر تسلیم کریں کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور لفظ بلفظ جبرائیل فرشتہ کی معرفت حضرت محمد پر نازل ہوا۔ بخلاف اس کے یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آنحضرت نے اپنی تعلیمات وخیالات کو فرقہ حنیف، فرقہ صائبین اور زرتشتیوں سے اخذ کیا۔ ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ باقی قرآن بھی اسی طرح اِدھر اُدھر سے لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کتابچہ کے باقی ابواب میں ہم اس امر کو پایہ ثبوت تک پہنچا دینگے۔

بابِ دُوم

یہودی عقائد ورسوم کاقرآن میں اندراج

اگرچہ قرآن کے مطالعہ سے یہ بات نہایت صفائی اور صراحت کے ساتھ ظاہر ہوجاتی ہے کہ حضرت محمد نے اپنے وقت کے بُت پرست عربوں کی بہت سی رسوم کو قرآن میں درج کرلیااور مسیحی دین کی بہت سی باتوں کو لے کراُن پر قریشی عربی میں جبرائیلی پیغام کاحاشیہ چڑھالیاتاہم قرآن کی اصلیت وماہیت پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوجائیگاکہ اسلام بحیثیت مجموعی طالمودی یہودیت اور رسالت حضرت محمد کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ اس باب میں ہم اسی امر کی صداقت کے دلائل وثبوت بہم پہنچائینگے۔

اس بات کے بیان کی توضرورت نہیں کہ آنحضرت کویہودیوں سے اس قدر کافی میل جول کاموقعہ حاصل تھاکہ آپ اُن سے اُن کی مروجہ حکایات وروایات کوبخوبی وبآسانی سیکھ سکتے تھے۔ اگرقرآنی حکایات کا بائبل کی محرف طالمودی تواریخ سے مقابلہ کیاجائے توصاف عیاں ہوجائیگاکہ مکہ ومدینہ کے یہودیوں نے اپنی روایات ضرور حضرت محمد کوسنائی تھیں جوآپ نے اول بدل کرکے بت پرست ، جاہل عربوں کے سامنے وحی آسمانی کے نام سے پیش کیں۔ یہ بھی خوب یادرکھناچاہیے کہ آنحضرت سے ایک سوسال پیشتر طالمود کی تکمیل ہوچکی تھی اور جویہودی عرب میں بودوباش کرتے تھے اُن کے دین پر اس سے بہت کچھ تاثیر ہوئی ہوگی۔ قرآن میں حضرت محمد نے ایک یہودی کواپنی رسالت پر گواہ کے طورپر بیان کیاہے۔ بہت سے مقامات میں آنحضرت کے یہودیوں کے ساتھ مباحثوں اور مناظروں کاذکر پایاجاتاہے اوراس میں کلام نہیں کہ کسی وقت آپ اُن سے بہت گہرااور دوستانہ تعلق رکھتے تھے۔ پس اب یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضرت محمد نے بار بار یہودی روایات کوسنااور پھر اُن کوایسی صورت میں بیان کیاجو عربوں کوپسندیدہ دلچسپ معلوم ہوئی۔اس میں شک نہیں کہ آپ یہودیوں سے اُن کے دین کے بارہ میں اکثر سوال کیاکرتے تھے چنانچہ مسلم کی ایک حدیث میں یوں لکھاہے "

"قال ابن عباس فلما سألها النبي صلعم عن شيئ من اهل كتب فكتموه
اياه واخبروه بغيره فخرجوا قد اروه ان قد اخبروه بما سالهم عنه"

" (ابن عباس کہتاہے جب نبی اہل کتاب سے کچھ پوچھتے تووہ اُسے پوشیدہ رکھتے اور کچھ اور ہی بتادیتے تھے۔ اورآنحضرت کوصرف اس خیال میں چھوڑ جاتے تھے کہ جوکچھ پوچھا تھاوہی بتایا گیاہے۔

علاوہ بریں یہ ایک نہایت ہی بین حقیقت ہے کہ جب آنحضرت پر یہ الزام لگاکہ آپ یہود وغیرہ سے کہانیاں سیکھ کراُن کانام وحی آسمانی رکھتے ہیں توآپ نے یہ عذر پیش کیاکہ مجھے خدا کاحکم ہے کہ شک کی حالت میں اہل کتاب سے پوچھوں اوراپنے شکوک رفع کروں۔ چنانچہ سورہ یونس کی ۹۴ویں آیت میں یوں لکھاہے فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَؤُونَ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكَ (توپوچھ نے اُن لوگوں سے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں) مسلمان مورخ طبری لکھتاہے "خدیجہ (آنحضرت کی پہلی زوجہ) نے پُرانے پاک نوشتوں کوپڑھا تھااور قصص الانبیاء سے خوب واقف تھی "اب

مقامِ غور ہے کہ یہ آنحضرت دعویٰ نبوت سے پہلے قریباً پندرہ سال بی بی خدیجہ کے ساتھ بسر کر چکے تھے اور خدیجہ کے عمزاد بھائی ورقہ سے بھی کافی میل جول رہا جو یہودی اور مسیحی دونوں رہ چکا تھا اور جس نے مسیحی نوشتوں کا عربی زبان میں ترجمہ بھی لکھا تھا" ان حقیقتوں سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ آنحضرت یہودی ربیوں کی مروجہ حکایات وروایات سے بخوبی واقف تھے۔

اب اس امر کی چند مثالیں پیش کی جائینگی کہ آنحضرت نے اپنے ہمعصر یہودیوں کی مروجہ تواریخی حکایات کو کس طرح اپنے حسب دلخواہ صورت میں پیش کیا۔ لیکن ایسا کرنے سے پیشتر یہ بتانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر عرب میں یہودیوں کے خیالات کی کیا حالت تھی۔ مدینہ کے گردنواح کے یہودی بے شمار اور صاحب اقتدار تھے لیکن بجائے عہد عتیق کے زیادہ طالمود کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ طالمود یہودی ربیوں کی رایونکی تفاسیر اور روایات وغیرہ کا نہایت بے ترتیب مجموعہ ہے۔ اس مخزن العلوم میں قوم یہود کی ہزاروں سال کی احادیث وروایات اور اُن کے شرائع وخیالات بڑی شرح وبسط کے ساتھ مندرج ہیں۔ لیکن پھر بھی طالمود ایک علمی بیان ہے۔ اس کے بیانات نہایت بے ترتیب وبے ربط ہیں۔ بہت سے قصے غلط اور محض بچوں کے افسانے ہیں۔ اور آنحضرت کے زمانہ کے یہودیوں کی ذہنی اور عقلی غذا بیشتر ان افسانوں ہی سے بہم پہنچی تھی۔ ان ہی غیر معتبر طالمودی کہانیوں کو سن کر یہودی سامعین خوش ہوتے تھے۔ اور اُن کے مکتبوں اور مدرسوں میں انہی کی تعلیم وتدریس کا رواج تھا۔ پس حضرت محمد نے جو کچھ یہودیوں سے سیکھا وہ بجائے بائبل کے طالمودی قصے وافسانے تھے۔ چنانچہ جن قصوں اور بزرگوں کے حالات سے قرآن لبریز ہو رہا ہے وہ بجائے بائبل کے طالمودی وگمدہ کی بے بنیاد روایات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

مثلاً سورہ مائدہ میں ۳۰ ویں آیت میں سے ۳۵ آیت تک ہابیل وقابیل کی عجیب حکایات مندرج ہے۔ ۳۴ ویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قابیل اپنے بھائی کو قتل کر چکا تو خدا نے ایک کوئے کو بھیجا کہ قابیل کو دفن کرنا سکھائے۔ چنانچہ یوں مرقوم ہے " فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ (خدا نے ایک کوے کو بھیجا جس نے زمین کو کھودا تا کہ وہ (قابیل) دیکھ لے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر دفن کرے)۔ جنھوں نے توریت شریف کو پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قصہ الہام موسیٰ میں اس طرح نہیں ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ حضرت محمد نے اس کو روایات سے سیکھا کیونکہ ربیانہ کتاب موسومہ بہ تارگم یوناتن[6] پر کے ربی الیعزر باب ۲۱ میں یوں مندرج ہے "آدم اور حوا بیٹھ کر ہابیل پر ماتم کرنے لگے اور نہیں جانتے تھے کہ اس کی لاش سے کیا کریں۔ کیونکہ وہ دفن کرنا نہیں جانتے تھے۔ تب ایک کوا جس کا ساتھی مر گیا تھا آیا اور اُن کے سامنے زمین کھود کر اُس کو دفن کر دیا۔ تب آدم نے کہا میں بھی ایسا ہی کرونگا جیسا کہ اس کوے نے کیا ہے چنانچہ آدم نے اٹھ کر فوراً ایک قبر کھودی اور ہابیل کی لاش اُس میں دفن کر دیا"۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد نے یہ کہانی ربیوں کی تصانیف سے سنی تھی اور یہ جان کر کہ یہ بائبل کا بیان ہے تھوڑے سے ردوبدل سے کام لے کر اُسے وحی آسمانی کے نام سے پیش کر دیا۔

حضرت ابراہیم کے قصوں سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ یہ قصے بعض امور میں بائبل کے بیانات کے بالکل برعکس ومتناقض ہیں لیکن ربیوں کی روایات سے انکا مقابلہ کریں تو بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ آنحضرت نے یہ قصے انہی لوگوں سے سیکھے تھے۔ پھر قرآن کا میں بار بار لکھا ہے کہ ایک بادشاہ

[6] https://en.wikipedia.org/wiki/Targum_Jonathan

نے (جسے مفسرین نمرود لکھتے ہیں) حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا تھااور وجہ یہ تھی کہ آپ نے بُت پرستی سے انکار کیا تھا۔ چنانچہ سورہ انبیاء کی ۶۹ ویں اور ۷۰ ویں آیت میں مرقوم ہے کہ جب حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے تو خدائے تعالیٰ نے فرمادیا

يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ وَنَجَّيْنَاهُ

ترجمہ: اے آگ ابراہیم پر سرد ار اور سلامتی ہو جا۔۔۔اور ہم نے اُسکو بچالیا)۔اب یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ اس افسانے کا بائبل میں تو نام ونشان تک نہیں ملتا اور اس کی کوئی بنیاد پائی نہیں جاتی لیکن یہودیوں کی ایک کتاب مسمی بہ مدراش ربا[7] میں مفصل درج ہے۔توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کنعان کی زمین میں داخل ہونے سے پہلے کسدیوں کے ملک میں شہر اُور میں رہتے تھے۔ لیکن خدا نے اُن کو وہاں سے نکال کر ملک موعود میں پہنچایا۔ چنانچہ مرقوم ہے "میں خداوند ہوں جو تجھے کسدیوں کے اُور سے نکال لایا" چنانچہ اس غلطی کے سبب سے اُس نے اس آیت کی تفسیر میں ابراہیم کے آگ میں ڈالے جانے اور پھر معجزانہ طور پر بچائے جانے کا قصہ گھڑا۔ابراہیم کا یہ تمام قصہ مدارش مذکور میں مندرج ہے اور حضرت محمد کے ہمعصر یہودی جو عرب میں رہتے تھے اس قصہ سے خوب واقف تھے۔ مدراش میں لکھا ہے کہ "جب بُت پرستی سے انکار کرنے کے باعث سے نمرود نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا تو آگ کو اجازت نہ ملی کہ اُسے کچھ نقصان پہنچائے"۔

اب ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالے اور نکالے جانے کی قرآنی حکائت کہاں سے لی گئی ہے۔ مصنفِ قرآن بھی مدراش کے مصنف کی طرح لفظ اُور کے حقیقی مطلب سے ناواقف ولاعلم معلوم ہوتا ہے۔اس قصہ کی تواریخی بطالت کے ثبوت میں اتنا کہنا کافی ہو گا کہ نمرود حضرت ابراہیم کا ہمعصر نہیں تھا بلکہ اُس سے بہت عرصہ پیشتر ہو گذرا تھا۔

پھر سورہ طہٰ میں ایک اور حکایت مندرج ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ کوہ سینا پر بنی اسرائیل نے ایک بچھڑے کی پرستش کی۔ یہ حکایت بھی یہودی اصل کی ہے کیونکہ اُس میں مرقوم ہے کہ لوگوں نے اپنے سونے چاندی کے زیورات جمع کر کے آگ میں ڈالے اور پھر ۹۰ ویں آیت یوں بیان کرتی ہے " **فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ** ۔ ترجمہ: پھر یہ نقشہ ڈالا سامری نے پس بنا نکالا اُن کے واسطے ایک بچھڑا۔ایک جسم گائے کی آواز کے ساتھ)توریت میں اس بات کا مطلق ذکر تک نہیں ملتا کہ وہ بچھڑا باآواز تھا۔ لیکن حضرت محمد کی حکایت کا ماخذ ربی الیعزر کا لکھنا ہے کہ وہ بچھڑا زور کی آواز کر کے نکلا اور بنی اسرائیل نے اُسے دیکھا" ربی یہوداہ ایک اور ہی بیان پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے "ایک شخص سموئیل نامی نے بچھڑے کے بت میں چھپ کر بچھڑے کی آواز نکالی تاکہ بنی اسرائیل کو گمراہ کرے"۔ حضرت محمد کے وقت یہودیوں میں جو عرب میں سکونت پذیر تھے یہ کہانی مشہور تھی۔ اگر اس کہانی کا قرآنی قصہ سے مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ حضرت محمد نے اپنے ہمعصر یہودیوں کی زبانی جو کچھ سنا اُسے کتب آسمانی کا جز خیال کر کے اپنے حسب منشا لکھ رکھا اور بعد میں جاہلوں کے سامنے وحی آسمانی کے نام سے پیش کر دیا۔

بیچارے حضرت محمد ٹھیک طور سے سموئیل کی بابت کچھ نہ سمجھ سکے بلکہ اس کی جگہ سامری لوگوں کے خیال میں جا الجھے۔ غالباً اُسکا سبب یہی تھا کہ آنحضرت سامریوں کو یہودیوں کے دشمن جانتے تھے۔ آپ نے سامری کو اُس بُرے کام میں حصہ لینے والا بیان لیکن حق تو یہی ہے کہ اس بیان

[7] https://en.wikipedia.org/wiki/Midrash_Rabba

میں آپ نے بڑی غلطی کی کیونکہ سامری لوگوں کا تو اس وقت کہیں نام و نشان بھی نہ تھا بلکہ سامریوں کا وجود اس واقعہ کے صدہا سال بعد سے ہے۔اس قرآنی قصہ کو وحی آسمانی تسلیم کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی سادگی اور سریع الاعتقادی کی ضرورت ہے۔

سورہ نمل میں سلیمان اور سبا کی ملکہ کی ایک طویل حکایت مندرج ہے۔ لکھاہے کہ سلیمان نے ملکہ مذکور کو ایک پرندہ کے وسیلہ سے ایک خط بھیجا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملکہ نے سلیمان کی ملاقات کا نہایت مصمم ارادہ کر لیا۔ آخر کار جب سلیمان کے محل کے دروازہ پر پہنچی تو ۴۴ ویں آیت کے الفاظ یوں ہیں " قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ کسی نے ملکہ سے کہا محل میں داخل ہو پس اُس نے محل کے فرش کو دیکھ کر خیال کیا کہ وہ گہرا پانی ہے اور اپنا پائجامہ پنڈلیوں سے اونچا کھینچ لیا۔ اُس نے کہا یہ پانی نہیں محل کا فرش ہے۔ جس میں شیشے لگے ہیں) یہ سن کر ملکہ نے ایک پکے مسلمان کی طرح جواب دیا" رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور اے میرے رب۔اور سلیمان کے ساتھ میں اللہ رب العالمین کی فرمانبردار ہوں)۔

کتاب مقدس کے پڑھنے والے سب جانتے ہیں کہ یہ محض افسانہ ہے اور کلام اللہ میں اس کا وجود معدوم ہے۔ لہذا یہ سوال پیش آتا ہے کہ اس حکایت کا ماخذ کیا ہے ؟ ربیوں کی ایک کتاب قصوں کہانیوں سے پر ہے اور یہ افسانہ جو حضرت محمد نے سنایا یا لفظ بلفظ اس میں موجود ہے۔ چنانچہ اُس کتاب میں لکھاہے کہ "جب سلیمان کو معلوم ہوا کہ ملکہ آئی ہے تو اٹھا اور آکر شیش محل میں بیٹھا۔جب سبا کی ملکہ نے دیکھا تو شیشے کے فرش کو پانی سمجھی اور اُس کے عبور کرنے کے لئے کپڑے اوپر کھینچ لئے"۔ ہم اُس کتاب سے اور بہت کچھ نقل کر کے دکھا سکتے ہیں۔ جس میں پرندے کو خط دیکر بھیجنے وغیرہ کا مفصل ذکر ہے لیکن جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں اُسی سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکایت جیسی کہ قرآن میں پائی جاتی ہے بالکل حضرت محمد نے یہودیوں سے سیکھی تھی اس ملکہ اور سلیمان کا سچا تواریخی حال بائبل میں ملے گا۔ دیکھو ا سلاطین ۱۰ باب اور اس سے اظہر من الشمس ہو جائے گا کہ حقیقت اور تصنع میں کیسا زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ایک اور ایسی ہی کہانی وہمی و خیالی جو آنحضرت نے یہودیوں سے سیکھی اور قرآن میں درج کر لی ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل کو ڈرانے کے لئے ایک پہاڑ اُن کے سر پر لا قائم کیا گویا کہ اُن پر گرنے ہی کو تھا۔ چنانچہ سورہ اعراف کی ۱۷۰ ویں آیت میں یوں مرقوم ہے "وَإِذ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ترجمہ :اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ اُن کے سر پر جیسے سایہ بان اور ڈرے کہ وہ گریگا اُن پر" یہ حکایت فی الحقیقت بالکل بے بنیاد ہے لیکن یہودیوں کے ایک کتابچہ ابوداہ سارہ میں پائی جاتی ہے۔ توریت میں اس قسم کا بیان کہیں نہیں ملتا۔ فقط یہی لکھاہے کہ جب خدا کوہِ سینا پر موسیٰ کو شریعت دے رہا تھا اُس وقت تمام بنی اسرائیل دامن کوہ میں کھڑے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد یہودی مفسرین نے وہی کہانی وضع کر لی کہ خدا نے پہاڑ کو بنی اسرائیل پر اٹھایا ابوداہ سارہ کی مندرجہ حکایت میں خدا بنی اسرائیل سے کہتا ہے "میں نے پہاڑ کو تم پر سرپوش کی مانند رکھا ہے"۔ ایک اور کتاب میں یوں مندرج ہے "خدا نے پہاڑ کو اُن پر ہنڈیا کی مانند رکھا اور فرمایا کہ اگر تم شریعت کو قبول کر لو تو بہتر ورنہ یہی

تمہاری قبر ہے"۔ یہ افسانہ بھی آنحضرت کے ہمعصر یہودیوں میں جو عرب میں آباد تھے رائج تھے۔ آپ نے اُن سے سن کر قرآن میں درج کرلیااور پھر تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ہمیشہ اسکو کلام اللہ تسلیم کریں جو ازل سے لوح محفوظ پر مرقوم تھااور جبرائیل فرشتہ کی معرفت آنحضرت پر نازل ہوا"۔

مندرجہ بالا لغو افسانے کی مثال قرآن سے باہر کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ ایسا لغو افسانہ فرشتوں کے گرنے کے بارے میں سورہ الحجر کی ۱۶ویں آیت سے ۱۸ویں آیت تک نہایت سنجیدگی سے مندرج ہے کہ جو کچھ آسمان پر کہا جاتا ہے شیطاطین اُسے سننے کی کوشش کرتے ہیں اور فرشتے اُن پر شہاب پھینک کر اُنہیں بھگادیتے ہیں۔ مثلاً یوں مرقوم ہے **وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ** ترجمہ: اور ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے اسے زینت دی ہے اور ہر شیطان مردود سے اُسے محفوظ رکھا ہے لیکن جو چوری سے سن جاتا ہے روشن شہاب اس کا تعاقب کرتا ہے۔ اور پھر سورہ الملک میں یوں مندرج ہے **وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ** ترجمہ: اور ہم نے ستاروں کو شیاطین کیلئے مار بنایا"آنحضرت نے شہابِ ثاقب کا خوب بیان کیااور کل بھید بتادیا آنحضرت نے یہ بھی خیال کیا کہ شیاطین آسمان پر جاکر الٰہی دربار میں فرشتوں کی مشورت اور دیگر رازو رموز کی باتیں سن آتے تھے۔ یہ آپ کی جدت پسند طبیعت کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہودیوں کی ایک کتاب میں مرقوم ہے کہ شیاطین پردے کے پیچھے سے آئندہ کے متعلق باتیں سنتے ہیں۔ ان افسانوں پر کچھ اور کہنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ ہمیں پختہ یقین ہے کہ کوئی باہوش مسلمان ان کو کلام اللہ تسلیم نہیں کریگا۔ ان افسانوں کا قرآن میں پایا جاناہی بڑا بھاری ثبوت ہے اور اس امر کی اعلیٰ دلیل ہے کہ قرآن اختراع انسانی ہے۔

اس مضمون پر اور بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور بخوبی تشریحاً ثابت ہو سکتا ہے کہ آنحضرت کے خیالات کس قدر یہودیوں سے لئے ہوئے تھے جن کو بعد میں اپنے قرآن میں درج کرکے وحی آسمانی کے نام سے نامزد کیا لیکن اس کتابچہ میں ایسے طویل بیانات کی گنجائش نہیں لہذا ہم دو تین اور مثالیں پیش کرکے اس بات کو ختم کرینگے۔

چونکہ یہود اور صائبین دونوں ہر سال ایک مہینہ روزہ رکھتے تھے لہذا یہ دریافت کرنا آسان نہیں کہ آنحضرت نے قرآنی روزے یہودیوں سے لئے یا صائبین سے لیکن روزوں کے بارے میں ایک قاعدہ ایسا موجود ہے جو بالکل یہودی اصل کا ہے۔ چنانچہ سورہ البقرہ کی ۱۸۷ویں آیت میں مندرج ہے **وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ** ترجمہ: اور کھاؤ پیو جب تک تم فجر کی سفید دھاری سے سیاہ دھاری صاف جد نظر نہ آئے۔ پھر پورا کرو روزہ رات تک"۔ یہ قاعدہ آنحضرت کو الہام سے حاصل نہیں تھا بلکہ مدتوں پیشتر سے یہودیوں میں روزہ کے متعلق ایسے قواعد موجود تھے اور آپ نے یہ قاعدہ انہی سے سیکھا۔ چنانچہ یہودیوں کی ایک کتاب مسمی بہ مشنہ بیراکھوتھ [8] میں لکھا ہے کہ روزہ اُس وقت سے شروع ہوتا تھا جب نیلے اور سفید تار میں تمیز ہو سکتی تھی۔ ہر ایک مسلمان کو اس بات پر ایمان لانا فرض ہے کہ تصنیفِ قرآن میں آنحضرت کو متعلق دخل نہیں بلکہ تمام قرآن لفظ بلفظ ازل ہی سے لوح محفوظ پر مرقوم تھااور وہاں سے وحی کی معرفت آپ پر نازل ہوا۔ لیکن بخلافِ اس کے اب ہم یہ ثابت کرینگے کہ لوحِ محفوظ کا خیال تک بھی آپ نے یہودیوں ہی سے اڑالیا تھا۔ سورہ

[8] Mishnah Berakhot

البروج کی ۲۱ویں آیت میں مر قوم ہےبَلۡ هُوَ قُرۡآنٌ مَّجِيدٌفِي لَوۡحٍ مَّحۡفُوظٍ ترجمہ: بلکہ یہ قرآن مجید لوح محفوظ پر مر قوم تھا"اس عجیب افسانے کا محمدی احادیث میں بہت طویل بیان پایاجاتاہے۔ نمونہ کے طورپر ہم احادیثی وہمی حکایات کی تشریح کی غرض سے قصص الانبیاء سے ایک حکایت ذیل میں درج کرتے ہیں۔ چنانچہ یوں مر قوم ہے کہ "ابتدامیں خدانے اپنے تخت کے نیچے ایک موتی پیدا کیااوراس موتی سے اُس نے لوح محفوظ پیدا کی۔ اس کی بلندی سات سوبرس کی راہ تھی اوراس کی چوڑائی تین سوسال کا سفر تھا"۔ پھر قلم کی پیدائش کا بیان کرکے مصنف لکھتاہے" چنانچہ قلم نے خدائے تعالیٰ کی تمام مخلوق کا علم لکھا"یعنی خداکا علم اُس تمام مخلوق کے بارے میں جو وہ پیدا کرناچاہتا تھا"ہرایک چیز کا علم جوروز قیامت تک خداکے ارادہ میں تھی۔ یہاں تک کہ ہرایک درخت کے ہرایک پتے کاہلنااور گرنا بھی خدائے تعالیٰ کی قدرت سے لکھا"۔

لوح پر کلامِ خدا کے لکھے جانے کا خیال توریت کے الہامی بیان سے لیا گیاہے۔ جہاں خداموسیٰ سے فرماتاہے"اپنے لئے پتھر کی دو تختیاں پہلیوں کی مانند تراش کے بنااور پہاڑپر مجھ پاس چڑھ آاور چوبی صندوق بنااور میں اُن تختیوں پر وہی باتیں لکھونگاجو پہلی تختیوں پر جنہیں تونے توڑڈالا لکھی تھیں۔ بعداس کے تمام ان کو صندوق میں رکھیو"(استثنا ۱۰: ۱سے ۲)۔ یہی بات از حد قابل غور ہے کہ وہی عبرانی لفظ"لوخ"جو توریت میں اُن تختیوں کے لئے استعمال ہواہے حضرت محمد نے اپنی خیالی"لوح محفوظ" کے لئے عربی صورت "لوح" میں استعمال کیاہے۔ آنحضرت نے بسااوقات یہودیوں سے ان تختیوں کاذکر سناتھاجو صندوق میں رکھی گئی تھیں۔ پھراس خیال سے کہ قرآن کی اصلیت کچھ کم درجہ کی نہ سمجھی جائے آپ نے یہ قصہ گھڑ لیاکہ قرآن لکھ کر آسمان پر رکھاگیااورتاوقت نزول لوح محفوظ پر محفوظ رہا۔ پھر آنحضرت نے کوتاہ اندیشی سے خداکویوں کہتے ہوئے پیش کیاکہ " اور ہم نے لکھ دیاہے زبور میں نصیحت کے بعد کہ آخر زمین کے وارث ہونگے میرے نیک بندے"۔

اس سے ہمیشہ اسلام کے پاؤں اکھڑتے چلے آئے ہیں۔ قرآن شریف کادعویٰ تو یہ ہے کہ اس کی تمام عبارت ازل ہی سے لوح محفوظ پر لکھی تھی اور پھر زبور سے اقتباس کرتاہے جس کا وجود ابھی دوہزار برس کا بھی نہ تھا۔ بہت سے ذی ہوش اصحاب کے لئے یہی اس بات کا کافی ثبوت ہوگا کہ قرآن ضرور زبور کے بعد کی تصنیف ہے۔

اگراس امر کے مزید ثبوت کی ضرورت ہو کہ قرآن طالمودی یہودیت پر مبنی ہے توجو بہت سے عبرانی الاصل الفاظ قرآن میں موجود ہیں اُن میں ملیگا مثلاً ذیل کے الفاظ سب کے سب عبرانی اصل کے ہیں"تابوت، توراہ، عدن، جہنم، احبار، سبت، سکینہ، طاغوت، فرقان، ماعون، مثانی، اور ملکوت، اگرکسی کوایسی تحقیق کااور شوق ہو توڈاکٹر عمادالدین کی کتاب ہدایت المسلمین میں ایک سوچودہ غیر عربی الفاظ کی فہرست دیکھ لے جو کہ قرآن میں پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر عمادالدین نے ان الفاظ کے پہلے اصلی معانی بھی لکھے ہیں۔

بابِ سوُم

مسیحی عقائدورسوم کاقرآن شریف میں اندراج

ہم بیان کرچکے ہیں کہ حضرت محمد کے خیالات کاماخذ زیادہ تریاتواسلام سے پیشتر کی عربی بُت پرستی تھی یاطالمودی یہودیت، مسیحیت کے آپ اس قدر قرضدار نہیں تھے لیکن پھر بھی قرآن شریف سے ظاہر ہوتاہے کہ مسیحیت نے بھی آپ پر بہت کچھ تاثیر کی تھی۔ چنانچہ سیدنا عیسیٰ مسیح کا بار بار نہایت تعظیم کے ساتھ ذکر ہواہے اور لکھاہے کہ وہ خدا کی طرف سے نبی ہو کر آئے اور خدانے اُن کو انجیل دی۔ قرآن شریف میں مسیحیوں کی طرف اس قدر اشارات ہیں اور اُن کا ایسا بار بار بیان ہواہے جس سے بے شبہ یہ معلوم ہوتاہے کہ وہ لوگ اُن ایام میں عرب میں بکثرت آباد تھے اور آنحضرت اُن سے بہت دوستی رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے جو ہدایت اپنے پیروان کو دی اُس سے یہ حقیقت صاف کھل جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا" وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ سورہ مائدہ آیت ۸۲" اور تو پائے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں)۔ حضرت محمد نے جناب مسیح کے ایمانداروں کی اس قدر تعظیم وتکریم اور شکر گزاری بے سبب نہیں کی۔ جب اہل مکہ کی سختی مسلمانوں کی برداشت کے درجہ سے بہت بڑھ گئی تواے بی سینیا کی مسیحی سلطنت ہی تھی جہاں جاکر آنحضرت کے پیروپناہ گزیں ہوئے۔

آنحضرت کو ملکِ عرب میں بھی اور خصوصاً سیریا کے سفروں میں مسیحی دین کی تعلیم پانے کا بہت موقع ملا۔ ہم بیان کرچکے ہیں کہ ورقہ بی بی خدیجہ کا عمزاد بھائی پہلے مسیحی تھا اور مسیحی دین کی تعلیمات کا عالم تھا۔ پھر بعد میں بہت سے مسیحی محمدی ہوگئے اور آپ کی لوٹ میں آئی ہوئی بیوی مریم بھی آپ کے پاس تھی جس سے آپ بآسانی مسیحی نوشتوں کی بابت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ خصوصاً غیر معتبر مروجہ حکائتیں توبسہولتِ تمام آپ کے گوش گذار ہوسکتی تھیں۔ پس آنحضرت کے لئے ان مشرقی مسیحیوں کے مروجہ افسانوں کو لے کر اپنی فصیح عربی میں سنانااور اُس پر وحی آسمانی کا نام چسپاں کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ آنحضرت کے ہمعصر خوب جانتے تھے کہ آپ نے ایسا کیا۔ چنانچہ اُنہوں نے بسااوقات بعض مشہور ومعروف لوگوں سے مدد لینے کاالزام بھی آپ پر لگایا۔ جیساکہ سورہ النحل کی ۱۰۳اور ۱۰۵آیت میں یوں مندرج ہے قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ترجمہ: وہ کہتے ہیں یقیناً اسکو کوئی سکھاتاہے۔ جس کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں اُس کی زبان عربی نہیں اور یہ (قرآن) صریح عربی زبان ہے)۔

اس مشہور آیت پر بیضاوی کی تفسیر قابل غور ہے۔ وہ لکھتاہے۔

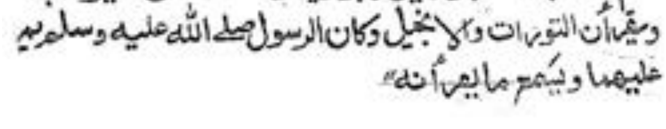
يعنون جبرا الرومي
غلام عامر ابن الحضرمي وقيل جبرا ويسارا كانا يصنعان السيوف بمكة ويقرأن التوراة والانجيل وكان الرسول صلى الله عليه وسلم يمر عليهما ويسمع ما يقرأنه"

کہتے ہیں کہ جس شخص کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ جبر ایونانی عامر ابن حضرمی کا غلام تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جبر اور السار ادو شخص مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے اور توریت وانجیل پڑھا کرتے تھے اور آنحضرت کی یہ عادت ہوگئی تھی کہ اُن کے پاس جا کر اُن کا پڑھنا سنتے تھے)۔ پھر امام حسین یوں تفسیر کرتا ہے "کہتے ہیں کہ عامر ابن الحضرمی کا ایک جبر انامی غلام تھا (بعض کے نزدیک دوسرے غلام کا نام یسار اتھا) جو توریت وانجیل پڑھتا کرتا تھا اور حضرت محمد کا کبھی پاس سے گذر ہوتا تو کھڑا ہو کر سننے لگتا تھا"۔

اب یہ بات نہائت ہی قابل غور ہے کہ جب آنحضرت پر الزام لگایا گیا تو آپ نے صاف انکار کر کے اپنی بریت کا اظہار نہیں کیا بلکہ آپ کا جواب یہ ہے کہ جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ وہ میری مدد کرتے ہیں اُن کی تو زبان ہی عجمی ہے اور قرآن ایسی فصیح عربی زبان میں ہے کہ وہ ایسی عربی ہر گز نہیں لکھ سکتے۔ ہم یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں کہ وہ قرآن کی عربی سے عربی لکھ سکتے تھے بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ آنحضرت نے اُن یہودیوں اور مسیحیوں سے جن سے آپ کو میل ملاقات کا اتفاق ہوتا تھا بائبل کے قصوں اور مروجہ غیر معتبر افسانوں کو سیکھا اور اپنی شاعرانہ طبع سے قریش کی فصیح عربی میں اُن کو بیان کیا جیسے کہ وہ اب قرآن میں موجود ہیں۔ ہم یہ تو صاف ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت کو ایسا کرنے کا کافی موقع تھا۔

اس کتابچہ کے آخری باب میں ہم یہ دکھائینگے کہ آنحضرت کے زمانہ میں جو یہودی عرب میں آباد تھے اُن میں بجائے کلام اللہ کے تواریخی اور سچے بیانات کے زیادہ تر طالمودی غیر معتبر قصے وافسانے مشہور ومروج تھے۔ جو مسیحیت عرب میں پائی جاتی تھی جب تک کہ اس کی حقیقت کو نہ سمجھ لیا جائے تب تک یہ سمجھنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ اس کی آنحضرت پر کیا تاثیر ہوئی۔ زمینِ عرب "کفر والحاد کی ماں" کہلاتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ رومی سلطنت نے بہت سے مسیحی فرقوں کو اُن کے کفر والحاد کے سبب سے ملک سے خارج کر دیا اور وہ آکر عرب میں آباد ہوگئے چنانچہ عرب میں آنحضرت کے زمانہ کے مسیحی توہمات اور قابل شرم خراہوں میں گرفتار تھے۔ سچے دین کے عوض میں پیر پرستی اور مریم پرستی کا زور تھا اور کلامِ خدا یعنی بائبل کے عوض میں وہمی حکایات وروایات کی کتابیں بکثرت رائج تھیں کسی نے صحیح کہا کہ اگر حضرت محمد کو سچی مسیحیت سے سابقہ پڑتا تو غالباً دنیا میں ایک جھوٹا مذہب کم ہوتا اور ایک مسیحی مصلح زیادہ حقیقت یہ ہے کہ مسیحیوں کے بدعتی اور ملحد فرقوں نے آنحضرت کو برآشفتہ کر دیا اور آپ نے مسیحیت کو کفر وشرک تصور کر کے رد کر دیا۔ حضرت محمد کی بدقسمتی اس میں تھی کہ آپ نے اُن وہمی اور بدعتی فرقوں سے سچی مسیحیت کا اندازہ لگایا اور ایک ایسے دین کی بنیاد رکھی جو پُرانی یہودیت طرف واپس کھینچتا ہے۔ بائبل کی سچی تعلیم کی جگہ ان برگشتہ مسیحیوں میں جو حکایات وروایات مروج تھیں اگر اُن کا قرآنی افسانوں سے مقابلہ جائے تو بخوبی سمجھ میں آجائیگا کہ حضرت محمد نے اُن میں اکثر کو سچ جانا اور کلام خدا یا انجیل کا جز تصور کر کے قرآن میں درج کر لیا۔ چنانچہ ذیل میں ہم اس امر پر نظائر ودلائل پیش کرینگے۔

سورہ الکہف میں ایک نہایت ہی عجیب اور بعید الفہم حکایات مندرج ہے۔ لکھا ہے کہ سات جوان ایک غار میں جا کر سو گئے اور تین سو نو سال کے بعد بیدار ہوئے چنانچہ آٹھویں سے بارھویں آیت اور پھر پچیسویں آیت میں یوں مرقوم ہے "کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور کھوہ والے ہماری قدرتوں میں سے اچنبھا تھے جب ہم جا بیٹھے۔ وہ جوان اُس کھوہ میں۔ پھر بولے اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے مہر اور ہمارے کام کا بناؤ۔ پھر تھپک دئے ہم نے اُن کے کان اُس کھوہ میں کئی برس گنتی کے پھر ہم نے اُن کو اٹھایا کہ معلوم کریں کہ دو فرقوں میں سے کس نے یاد رکھی ہے جتنی مدت وہ رہے۔۔۔۔۔ اور وہ رہے اپنی کھوہ میں تین سو نو سال"۔

افسانہ جو بالکل بے بنیاد اور محض لغو ہے آنحضرت کے زمانہ سے مدتوں پیشتر ہی سے عرب میں مشہور تھااور سیریا کے ایک باشندے یعقوب السروجی[9] نامی کی تصانیف میں پایاجاتا تھا۔ یہ یعقوب ساروج کا رہنے والا تھااور ۵۲۱ء میں انتقال کر گیا تھا۔اس نے افسس کے سات نوجوانوں کا حال یوں لکھاہے کہ وہ ڈیسیس رومی بادشاہ کے ظلم سے بھاگ کر ایک غار میں جاچھپے۔ان پر نیند غالب آئی۔ چنانچہ وہ سوگئے اور ایک سو چھیانوے سال کے بعد بیدار ہوئے تو مسیحی دین کو ہر جگہ غالب ومسلط پایا۔آنحضرت نے عرب اور سیریا کے مسیحیوں سے اکثر یہ افسانہ سنا ہوگا۔آپ نے اُس کو سچ خیال کر کے جبرائیل کے سرپر تھوپ دیااور لوحِ محفوظ کی تحریر وکلام اللہ کے نام سے نامزد کر دیا۔

حضرت مریم کے بچپن کی قرآنی حکایت بھی مسیحی اصل کی ہے۔اناجیل میں تو سیدنا مسیح کی والدہ کا بچپن مذکور نہیں لیکن جن بدعتی اور ملحد نام کے مسیحیوں میں انجیل شریف کی صحیح تعلیمات کے عوض میں توہمات اور مصنوعی افسانوں کا زور تھااور خدا کی عبادت کے عوض میں مریم پرستی رائج تھی اُن میں مریم طاہرہ کی بابت بہت سی طول طویل حکایات وروایات مشہور تھیں۔یہ غیر معتبر حکایات عرب کے مسیحیوں میں عام تھیں اور آنحضرت ان سے یقیناً بخوبی واقف تھے۔رسول عربی انجیل کی صحیح تعلیم سے بے خبر تھے اور اُن میں یہ لیاقت و قابلیت نہ تھی کہ اُن بدعتی مسیحیوں کی غلطیوں کی اصلاح کرتے۔ لہذا کچھ تعجب کی بات نہیں کہ آپ نے اُن شنیدہ افسانوں کو قرآن میں درج کیااور وحی آسمانی کے نام کی مہراُن پر بھی لگادی اور کہا کہ یہ الہام پہلی کتابوں کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔

سورہ آل عمران سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم طاہرہ اپنے بچپن ہی میں بیت المقدس میں لائی گئی اور مسیح کی پیدائش کے وقت تک وہیں رہی۔

قرآن بتاتاہے کہ اُس کی وہاں کی رہائش کے ایام کے لئے قرعہ ڈال کر اُس کا مربی منتخب کیا گیا چنانچہ لکھاہے "وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ "اور تواُن کے پاس نہ تھاجب وہ اپنے قلم ڈال کر دریافت کرتے تھے کہ مریم کا متکفل کون ہو) جنہوں نے انجیل شریف کوپڑھاہے وہ سب خوب جانتے ہیں کہ یہ حکایت الہامی کلام میں نہیں پائی جاتی۔ لیکن آنحضرت کے زمانہ کے بدعتی عربی مسیحیوں کی غیر معتبر کتابوں میں مفصل مندرج ہے۔یہ کتابیں پروٹیوانگلیوم یعقوب[10] (Protevangelium of James the Less))ور قبطی تواریخ (Coptic "History of the Virgin")سکھلاتی ہیں۔پس صاف معلوم ہو گیا کہ اس افسانہ کا ماخذ کیااور کہاں ہے۔ان بدعیتوں کی روایات کی کتابوں میں مریم کے مربی یاشوہر بننے کے لئے قرعہ ڈالنے کا بیان طوالت وتفصیل کے ساتھ پایاجاتاہے ایک کتاب میں لکھاہے کہ جب مریم بارہ برس کی ہوئی تواُس کی آئندہ زندگی کی بابت فیصلہ کرنے کے لئے کاہنوں نے ایک جلسہ کیا۔اس وقت خدا کاایک فرشتہ زکریا کے پاس آکھڑا ہوااور کہنے لگا "اے زکریا جااور قوم کے تمام بے زنوں کو جمع کر۔وہ سب ایک ایک عصالائے اور جسکو خداوند خدا کوئی نشان دکھائے گا وہی مریم کا شوہر بنے گا"۔

مریم طاہرہ کے متعلق ایک اور حکایت جو آنحضرت نے غیر معتبر اناجیل یااپنے جان پہچان مسیحیوں سے سیکھی وہ کھجور کے درخت کی حکایت ہے جو کہ سورہ مریم کی ۲۲ویں آیت سے ۲۵ویں آیت یوں مرقوم ہے۔فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ

[9] https://en.wikipedia.org/wiki/Jacob_of_Serugh
[10] https://en.wikipedia.org/wiki/Gospel_of_James

سَرِيًّا وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ترجمہ: پھر پیٹ میں لیا اُسکو اور کنارے ہوئے اُسکو لیکر ایک دور کے مکان میں۔ پس لے آیا اُس کو دردزہ کھجور کے درخت کے نیچے۔ بولی کاشکہ میں اس سے پیشتر مر جاتی اور فراموش ہو گئی ہوتی۔ آواز دی اُسکو نیچے سے کہ غم نہ کھا۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ بنادیا ہے۔ اور ہلا لے اپنی طرف کھجور کی جڑ۔ اُس سے تجھ پر پکی کھجوریں گرینگی۔ اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ"۔

لیکن اناجیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی ولادت بیت الحم کی ایک سرائے کے اندر یا قریب ہوئی تھی۔ حضرت محمد کی اس حکایت مندرجہ قرآن کا ماخذ بھی دریافت ہو سکتا ہے کیونکہ بعض بدعتی مسیحیوں کی کتب کی اور روایات میں مسیح کی پیدائش کے باب میں بہت سی غیر معتبر حکایات مرقوم و مشہور ہیں۔ یہ حکایات عرب کے مسیحیوں میں بہت رائج تھیں اور آنحضرت کے کانوں تک ضرور پہنچی ہونگی۔ آپ نے اُن کو بے گمان صحیح انجیلی تحریر تصور کیا۔ ایک غیر معتبر کتاب مسمّٰی بہ "تواریخ بود و باش مریم و طفولیتِ مسیح History of the Nativity of Mary and the Infancy of the Savior میں کھجور کے درخت کی حکایت مفصل ملتی ہے۔ اس غیر معتبر حکایت اور قرآنی بیان میں بعض خفیف اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن بخوبی مقابلہ کرنے اور سوچنے سے یہ راز منکشف ہو جاتا ہے کہ قرآنی بیان اُسی مصنوعی حکایت کی نقل ہے جو آنحضرت نے وحی آسمانی کے نام سے پیش کیا۔ اس مصنوعی حکایت اور قرآنی قصہ کی مشابہت کی تشریح کی غرض سے ہم مصنوعی حکایت سے کچھ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ یسوع طفیل شیر خوار کے ساتھ مریم اور یوسف کے بھاگ جانے کے بیان کے بعد یوں لکھا ہے "اور یوسف جلدی کر کے مریم کو کھجور کے درخت پاس لایا اور سواری کے جانور سے نیچے اُتارا۔ جب مریم نے زمین پر بیٹھ کر درخت کی طرف اوپر نظر کی تو اُسے پھل سے لدا ہوا پایا اور یوسف سے کہا میں چاہتی ہوں کہ اگر کسی طرح سے ممکن ہو تو اس کھجور کا پھل توڑیں۔۔۔۔ اس پر شیر خوار یسوع نے جو نہایت خوش و خرم اپنی ماں مریم کی گود میں تھا کھجور کے درخت سے کہا اے درخت اپنی شاخوں کو جھکادے اور اپنے پھل سے میری ماں کو آسودہ کر فی الفور درخت کی چوٹی جھک کر مریم کے پاؤں سے آلگی اور اُنہوں نے اُس کا پھل توڑا اور آسودہ ہوئے۔۔۔۔ اور وہ کھجور کا درخت پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس کی جڑوں سے نہاتی ٹھنڈے اور از حد شیریں پانی کا چشمہ جاری ہو گیا"۔

قرآن کو پڑھنے والے سب جانتے ہیں کہ اُس میں سیدنا مسیح کا بار بار ذکر آتا ہے اور اس کی ولادت کی نسبت بہت سی حکایات مندرج ہیں جن میں سے بعض کا وجود انجیل شریف میں بالکل نہیں ملتا۔ یہ حکایات بھی کھجور کے درخت کی حکایت کی طرح غیر معتبر روایات وغیرہ کی کتابوں میں ملتی ہیں اور ان سے نہایت صفائی و صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد نے یہ افسانے کہاں سے لئے جن کو حسب خواہش نئی صورت میں داخل قرآن کر لیا۔ ان افسانوں میں سے ایک میں مسیح کے بچپن کے معجزات کا ذکر ہے۔ چنانچہ سورہ المائدہ کی ایک سونویں اور دسویں آیات میں یوں مندرج ہیں إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ترجمہ: جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر۔ جب مدد دی میں نے

تجھ کو روح پاک سے تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور پکی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا تھا مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے پھر دم پھونکتا تھا اس میں تو ہو جاتا تھا جانور میرے حکم سے"۔

اس افسانے کا اناجیل میں مطلق ذکر نہیں بلکہ بخلاف اس کے صاف یوں لکھا ہے کہ سیدنا عیسیٰ کا پہلا معجزہ عام خدمت کے شروع کے بعد تیس برس کی عمر میں ہوا۔ چنانچہ یوحنا کی انجیل کے دوسرے باب کی گیارھویں آیت میں مرقوم ہے "یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا"۔ تامس اسرائیلی (The Gospel of Thomas the Israelite) نے جو مسیح کے بچپن کی انجیل لکھی اور دیگر ایسی ہی چند غیر معتبر جھوٹی تصانیف سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ آنحضرت کے زمانہ کے بدعتی مسیحیوں میں مشہور تھا اور آپ نے بسا اوقات ان سے سنا اور سچی انجیل کا جزو خیال کر کے قرآن میں درج کر لیا کیونکہ ان افسانوں کا قرآنی قصوں سے مشابہت رکھنا اسی نتیجہ پر پہنچاتا ہے۔ مندرجہ بالا قرآنی افسانے کو یاد رکھئے اور پھر تامس اسرائیلی کی جھوٹی انجیل کو جسے کسی مسیحی فرقہ نے کبھی الہامی نہیں ماناپڑھئے۔ اُس میں لکھا ہے "یسوع جب پانچ سال کا ہوا تو ایک مرتبہ ایک سڑک پر پانی کے ایک گندے نالے کے کنارے کھیل رہا تھا۔ اس نالہ کے تمام پانی کو جمع کر کے صرف ایک لفظ کے فرمان سے پاک و مصفا کر دیا۔ پھر کچھ مٹی گوندھ کر اس سے بارہ چڑیاں بنائیں اور تالی بجا کر بلند آواز سے کہا اڑ جاؤ۔ اور چڑیاں چہچاتی ہوئی پرواز کر گئیں"۔

اسی جھوٹی انجیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ سیدنا مسیح نے گہوارے ہی سے اپنی ماں سے کلام کیا اور اسے اپنی نبوت ورسالت کی خبر دی۔

حضرت محمد نے اپنے وقت کے بدعتی اور ملحد مسیحیوں سے بہت سے افسانے سیکھے اور اُن کے عقائد سے آگاہی حاصل کی اور وہی عقائد و حکایات آپ نے قرآن میں درج کر کے اُن پر وحی آسمانی کا نام چسپاں کر دیا۔ اس کے ثبوت میں اور بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن چونکہ اس کتابچہ میں طوالت کی گنجائش نہیں اس لئے ہم صرف ایک ہی اور مثال پیش کرینگے۔ جو مزید تحقیقات کا مشتاق ہو اُسے چاہیے کہ ٹسڈل، سیل اور گائیگر صاحب کی تصانیف کا مطالعہ کرے۔

قرآن میں "**میزان**" کا بار بار ذکر آتا ہے۔ لکھا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے اعمال تلینگے۔ جن کے اعمال کا وزن میزان میں زیادہ ثابت ہوگا وہ بہشت میں داخل ہونگے اور جن کے بد اعمال زیادہ نکلیں گے وہ دوزخ میں جائینگے۔ چنانچہ سورہ الاعراف کی ساتویں اور آٹھویں آیات میں مرقوم ہے **وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ** ترجمہ: اور اس روز (اعمال کا) تلنا برحق ہے تو جن لوگوں کے (عملوں کے) وزن بھاری ہوں گے وہ تو نجات پانے والے ہیں اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا اس لیے کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے۔

قرآن کا یہ عقیدہ "ابراہیم کی **جعلی انجیل**" [11] سے لیا گیا ہے جو کہ غالباً دوسری یا تیسری مسیحی صدی میں لکھی گئی تھی۔ ابراہیم کے آسمان پر جانے کی وہمی حکایت مندرج ہے۔ لکھا ہے کہ اُس نے وہاں اور عجائبات کے علاوہ تخت عدالت کو بھی دیکھا۔ اُس پر ایک عجیب آدمی بیٹھا تھا۔ اُس کے آگے ایک میز تھی جو بالکل شفاف تھی اور اُس کی ساخت خالص سونے اور باریک کپڑے سے تھی۔ اُس پر ایک کتاب رکھی تھی جس کی موٹائی چھ ہاتھ

[11] https://en.wikipedia.org/wiki/Testament_of_Abraham

اور چوڑائی دس ہاتھ تھی۔اُس کی دائیں بائیں جانب دو فرشتے کاغذ اور قلم دوات لئے کھڑے تھے۔اور میز کے سامنے ایک نہایت نورانی فرشتہ ترازو لئے بیٹھا تھااور وہ عجیب آدمی جو تخت نشین تھاخود روحوں کاانصاف کررہا تھالیکن دائیں بائیں کے دونو فرشتے لکھتے جاتے تھے۔دائیں جانب کافرشتہ نیک اعمال لکھتا تھااور بائیں طرف کافرشتہ گناہ درج کرتا تھا۔اور جو میز کے سامنے ترازو لئے بیٹھا تھا روحوں کو تول رہا تھا"۔

قرآن کی اور بہت سی تعلیمات مثلاً مسیح کی موت کی نفی اور مسیحی تثلیث کو باپ بیٹااور مریم تین جدا جدا خدا اقرار دینا حضرت محمد نے اُن ناستک اور بدعتی مسیحیوں سے سیکھی تھیں جو آپ کے زمانہ میں ملک عرب میں بکثرت آباد تھے اب اس امر کے ثبوت میں بہت کچھ کہا جاچکا ہے کہ قرآن کے بہت سے عقائد و قصص غیر معتبر اور جعلی مسیحی روایات کی کتابوں سے لئے گئے ہیں اور قرآن کا یہ دعویٰ کہ میں کتب پیشین یعنی تورات وزبور اور انجیل کا مصدق ہوں بالکل بے بنیاد باطل ہے۔

باب چہارم

قرآن کے وہ حصے جو بروقت حاجت وضع کئے گئے

ہمیں یقین کامل ہے کہ اگر نہایت غور وفکر اور بے تعصبی سے قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو اس امر میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ قرآن کے بہت سے حصے حضرت محمد نے حسبِ ضرورت اپنی مطلب براری کے لئے وضع کر لئے تھے۔ یہ بڑا بھاری الزام ہے لیکن ہم اس کی حقیقت کو ابھی ثابت کرینگے۔ اس مقام پر یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت کی عملی زندگی کی تفہیم تامہ کے لئے ازبس ضروری ہے کہ قرآن کے جن حصص سے آپ کے حالات زندگی تعلق رکھتے ہیں اُن کے ساتھ اُن کا خوب اچھی طرح سے مقابلہ کیا جائے۔ اس مقابلہ سے یہ امر بھی بخوبی منکشف ہو جاتا ہے کہ قرآن نے کس طرح بتدریج ترقی کی اور وحی آسمانی نے کس خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ موجودہ حالات زمانہ سے تطابق کھا کر آنحضرت کے اقوال وافعال متناقضہ کو اذنِ الٰہی کی سندات ومواہیر کے ساتھ پیش کیا کیونکہ صرف یہ ایک وسیلہ تھا جس سے آنحضرت کی متبدل حکمت عملی پر حرف نہ آتا اور خود بدولت بھی قولی وفعلی تبائن ومغائرت کے الزام سے بری ٹھہرتے۔ صرف اسی قسم کے مطالعہ کے ذریعہ سے یہ مسائل اور تبدلات سمجھ میں آسکتے ہیں کہ یہ یروشلیم کی جگہ مکہ کیوں قبلہ مقرر کیا گیا اور لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (دین میں زبردستی نہیں ہے) کی جگہ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ اور قتل کرو اُن کو جہاں کہیں پاؤ) کیوں فرمادیا؟ اور علاوہ بریں آنحضرت کے خانگی امور کے بارے میں بہت سے متضاد ومتناقض احکام ہیں۔ بڑے بڑے مسلمان مفسرین مثلاً ابن ہشام، طبری، یحیٰی اور جلال الدین وغیرہ کی یہ شہادت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت پر یہ بُری خواہش غالب آئی کہ خود ہی ایک الہام یا وحی کا بیان گھڑ کر قریش کو سنادیں اور آپ نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ یوں مرقوم ہے "ایک روز آنحضرت حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور سورہ النجم پڑھ کر سنانے لگے۔ قریش کی دیرینہ متواتر مخالفت سے آپ پست ہمت ہو گئے اور آپ کے دل میں بڑی زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طرح سے ان لوگوں سے صلح ہو جائے۔ یہ مخالفوں کو دوست بنانے کی خواہش اتنی زبردست ہوئی کہ آپ مغلوب ہو گئے۔ چنانچہ جب اُس آیت پر پہنچے۔ جس میں لات وعزیٰ ومنات تین بتوں کا ذکر ہے تو آپ نے قریش کو خوش کرنے کی غرض سے یہ جملہ زائد پڑھ دیا۔ یہ بزرگ دیویاں ہیں جن سے شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے "اس سے قریشی بہت خوش ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے آپ کے ساتھ عبادت کرنے لگے کہ "اب ہم نے جانا کہ صرف خدا ہی ہے جو محی وممیت اور خالق ورازق ہے اور یہ ہماری دیویاں صرف اس کے حضور میں ہماری سفارش وشفاعت کرتی ہیں۔ اور جب تو نے اُن کے لئے یہ رتبہ مقرر کر دیا ہے تو ہم تیری پیروی کرنے پر راضی ہیں"۔ لیکن آنحضرت نے بہت جلد اپنی اس کوتاہ اندیشی کی صلح سے پیشمان ہو کر اپنے وہ الفاظ جو اُن بُتوں کی تعریف میں استعمال کئے تھے۔ واپس لے لئے اور اُن کے عوض میں ذیل کی عبارت جیسی اب موجودہ قرآن میں پائی جاتی ہے پڑھ سنائی " أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم " سورہ النجم ۲۱ سے ۲۳ویں آیت تک "کیا تمہارے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں؟ یہ تو بہت بیڈھنگی تقسیم ہے۔ یہ سب نام ہیں جو تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں) پھر اپنی اس غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے آپ نے ایک اور الہام گھڑا جس کی رو سے گویا مانند آپ سے کہتا ہے کہ اے محمد خاطر جمع رکھ تیرا حال اچھا ہے۔ تجھ

سے پہلے نبی بھی اسی طرح آزمائے گئے۔ شیطان نے اُن کو بھی ایسی ترغیبیں دیں۔اس تمام غلطی کا بانی شیطان ہے۔ چنانچہ سورہ الحج میں یوں مرقوم ہے "وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلا نَبِيٍّ إِلاَّ إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ " (اور جو رسول یا نبی ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا۔ جب خیال باندھنے لگا شیطان نے کچھ ملادیا اُس کے خیال میں۔ پس اللہ منسوخ کرتا ہے جو کچھ شیطان نے ملادیا)۔

یہ مندرجہ بالا واقعہ ایسا ہے اور اس پر ایسے شواہد موجود ہیں کہ اس سے انکار ناممکن ہے۔ جب آنخضرت ابتدا ہی میں ایسی آرزو کے سامنے مغلوب ہوگئے اور حسب مرضی اور حسب موقعہ وحی آسمانی گھڑ لیا تو بعد میں جب دینوی شان وشوکت کا دریا موجزن تھا اور ایسی آرزوؤں کے غلبہ کا زیادہ موقعہ تھا کیا تعجب کہ آپ نے اسی طرح افترا واختراع سے بار بار کام لیا ہو۔ مذکورہ بالا واقعہ کا بیان ہم معالم سے نقل کرتے ہیں"

"قال ابن عباس ومحمد ابن کعب القرظی وغیرھما من المفسرین لما رای رسول اللہ تولی قومہ عنہ ومشق علیہ ما رای من مباعدتھم عما جاءھم بہ من اللہ تمنی فی نفسہ ان یاتیہ عن اللہ ما یقارب بینہ وبین قومہ بحرصہ علی ایمانھم فکان یوم فی مجلس قریش فانزل اللہ تعالیٰ سورۃ النجم فقرأھا رسول اللہ وحتی بلغ قولہ افرایتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری القی الشیطان علی لسانہ بما کان یحدث بہ نفسہ ویتمناہ تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھم لترتجی فلما سمعت قریش ذلک فرحوبہ" (ابن عباس اور محمد ابن کعب

(ابن عباس اور محمد ابن کعب القرظی وغیرہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ نے دیکھا کہ اُس کی قوم (قریش) اس سے برگشتہ ہوتی اور مخالفت کرتی ہے اور قرآن کو جو خدا کی طرف سے آیا ہے رد کرتی ہے تو اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ خدا کی طرف سے کوئی ایسے الفاظ نازل ہوں جن کے وسیلہ سے اس کی قوم کے لوگ اس سے صلح کرلیں اور اُس کی یہ خواہش بڑھتی گئی کہ وہ ایمان لائیں۔ اور ایک دن ایسا ہوا کہ وہ قریش کی مجلس میں تھا اور اسی وقت خدا نے سورہ النجم نازل فرمائی۔ اور رسول نے اس کو پڑھا اور جب ان الفاظ پر پہنچا" اور کیا تم دیکھتے ہو لات وعزیٰ اور منات" تو شیطان نے اُس کی دلی خواہش اُس کے لبوں پر رکھدی" یہ بزرگ دیویاں ہیں اور یقیناً اُن سے شفاعت کی اُمید کی جاسکتی ہے "اہل قریش یہ سن کر بہت خوش ہوگئے"۔

یہی حکایت مواہب اللدینہ میں یوں مندرج ہے "

بالا واقعہ کا بیان ہم معالم سے نقل کرتے ہیں " قال ابن عباس و محمد ابن
کعب القرظی وغیرھما من المفسرین لما رای رسول اللہ تولی
لترتجی فقال المشرکون ما ذکر الھتنا بخیر قبل الیوم فسجد و سجد وافنزلہ
ھذہ الایۃ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی
القی الشیطان فی امنیتہ

رسول اللہ صلعم مکہ میں سورہ النجم پڑھ رہے تھے اور جب پہنچے " کیا دیکھتے ہو تم لات و عزیٰ اور منات تیسرے کو " تو شیطان نے یہ الفاظ اُن کے لبوں پر رکھ دیئے کہ " یہ بزرگ دیویاں ہیں اور ان سے شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے "۔ اور بُت پرستوں نے کہا " آج اس نے ہماری دیویوں کے حق میں خوب کہا ہے "۔ پس اس نے سجدہ کیا اور اُنہوں نے بھی سجدہ کیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی " ہم نے کوئی رسول یا نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے پڑھنے میں شیطان نے کوئی غلطی نہ ملا دی ہو ")۔

مندرجہ بالا غلطی کا اسقدر جلدی اعتراف کر کے اس سے توبہ کرنا آنحضرت کے حق میں بہت اچھا ہے اور بعد میں آپ نے ہمیشہ ہر صورتیں بُت پرستی کی تردید کی لیکن اس سے آپ کو بہت ہی کم فائدہ پہنچا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پھر بھی آپ اپنی مطلب براری کیلئے بے تامل اپنے اقوال کو بدلتے رہے۔ چنانچہ جب آنحضرت مدینہ میں ہجرت فرما ہوئے تو بالکل بے یار و غمخوار اور بیکسی کی حالت میں تھے۔ اُن ایام میں مدینہ میں بہت سے باقدرت یہودی آباد تھے۔ آپ نے اُن سے دوستی و رسوخ کی ضرورت کو فوراً محسوس کیا اور اس سے غرض سے یروشلیم کو اپنا قبلہ مقرر کیا اور مدت مدید تک اس شہر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن آخر کار جب یہودیوں کو اپنا طرفدار بنانے میں کسی طرح سے کامیابی نصیب نہ ہوئی اور آپ کی جمعیت بڑھ گئی تو آپ نے قوم قریش کو حاصل کرنے کی ایک مرتبہ پھر کوشش کی اور اس مقصد کے لئے وحی آسمانی کا ایک اور پیغام پیش کیا جس کے رو سے پھر کعبہ ہی قبلہ مقرر کیا گیا۔ چنانچہ سورہ البقر میں یوں مندرج ہے " وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

(ترجمہ) (اور وہ قبلہ جس پر تو تھا ہم نے اس لئے ٹھہرایا تھا کہ معلوم کریں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور یہ بات مشکل تھی سب پر سوائے ان کے جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارا یقین لا ناضائع کر دے۔ البتہ اللہ لوگوں پر شفیق و مہربان ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ تیرے منہ کا پھرنا آسمان کی طرف سو البتہ ہم پھیرینگے تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے۔اب پھیر لے اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہو اُسی کی طرف اپنا منہ پھیرا کرو)۔

عبد القادر کا بیان ہے کہ آنحضرت پھر مکہ کو قبلہ بنانا چاہتے تھے۔چنانچہ وہ لکھتا ہے "چاہتے تھے کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھو"۔ایسی حالت میں کچھ تعجب نہیں کہ آنحضرت نے اپنی خواہش کے مطابق تبدیلی کرلی اور پھر اس تبدیلی کی تائید و تصدیق میں وحی آسمانی پیش کر دیا۔

آنحضرت نے اپنی مدنی رہائش کے ایام میں ایک جابرانہ حکم یہودی روزوں کے بارہ میں دیا تھا لیکن بعد میں قبلہ کی مانند یہ بھی تبدیل ہو گیا۔ موجودہ حال کی حاجات کو دیکھ کر آپ حسب خواہش اپنی مطلب براری کے لئے قوانین وضع کر لیتے تھے اور پھر آپ ہی اُن کو منسوخ بھی کر دیا کرتے تھے۔لیکن طرفہ یہ ہے کہ اس قسم کی تمام کارروائیوں پر وحی آسمانی کی مہر ہوتی تھی۔کاظم لکھتا ہے "

ان رسول اللہ لما قدم المدینة وجد یهودیا یصومون عاشورا فسالهم عن ذلك فقالوا انه الذی غرق فیه فرعون وقومه ونجی موسیٰ ومن معه فقال انا احق بموسیٰ منهم فامر بصوم عاشورا"

(روائت کی گئی ہے کہ جب آنحضرت مدینہ پہنچے اور دیکھا کہ یہودی عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں تو اُن سے اس کا سبب دریافت کیا۔اُنہوں نے جواب دیا کہ اس دن پر فرعون اپنی قوم سمیت غرق ہوا تھا اور موسیٰ کو اُس کے ہمراہیوں سمیت نجات ملی تھی۔اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ میرا موسیٰ کے ساتھ اُن سے زیادہ قریبی رشتہ ہے اور عاشورا کے روزے کا حکم صادر فرمایا) یہ روزہ جو اُب بھی دسویں محرم الحرام کو اعلیٰ درجہ کا نیک کام خیال کر کے رکھا جاتا ہے اس امر کا نہایت صاف اور صریح ثبوت ہے کہ آنحضرت دیگر مذاہب کی رسوم کو اختیار کر لیتے تھے اور اسی حقیقت سے آپ کا یہ دعویٰ بھی بالکل باطل ٹھہرتا ہے کہ یہ سب کچھ براہ راست وحی آسمانی کی معرفت آپ کو پہنچتا تھا۔

ایک اور بڑی مشہور حکایت ہے جو قرآن کو انسانی تصنیف ثابت کرتی ہے اور یہ حکایت بہت سے بڑے بڑے مشہور مسلمان مفسرین کے بیان کے مطابق آنحضرت کے اپنے متبنیٰ بیٹے زید کی مطلوقہ بیوی زینب سے شادی رچانے کا قصہ ہے۔زید آنحضرت کا بیٹا مشہور تھا اور اس نے ایک نہایت حسین عورت زینب نامی سے نکاح کیا تھا۔ایک روز آنحضرت زید کے گھر تشریف فرما ہوئے اور زینب کو ایسے لباس میں پایا جس سے اُس کا حسن و جمال مہر نیم روز کی طرح بے حجاب چمک رہا تھا۔آنحضرت دیکھتے ہی گھائل ہوگئے اور فرمایا" سبحان اللہ مقلب القلوب "(خدائے پاک دلوں کا پھیرنے والا ہے) زینب نے یہ الفاظ سن لئے اور فوراً اپنے شوہر کو اس ماجرے سے آگاہ کیا۔زید نے زینب کو طلاق دیدی اور آنحضرت سے کہا کہ آپ اس سے نکاح کرلیں لیکن آپ نے اپنے متبنیٰ بیٹے کی مطلوقہ بیوی سے نکاح کرنے میں کچھ پس وپیش کیا اور پھر لوگوں کی لعن طعن سے بچنے کے لئے آپ نے وحی آسمانی کا فتویٰ سنادیا اور فوراً زینب سے نکاح کرلیا۔اس عاشق خانہ خراب نے تیری کیسی مٹی خراب کی۔چنانچہ وحی آسمانی کا یہ عجیب وغریب فتویٰ سورہ الاحزاب کی ۳۷ویں اور ۳۸ویں آیات میں یوں مندرج ہے" فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى

الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ (پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی تا نہ رہے مسلمانوں کو گناہ نکاح کر لینا اپنے لے پالکوں کی جوروؤں سے) کیا کوئی ذی ہوش اور صاحب فہم مسلمان یہ ایمان رکھ سکتا ہے کہ مندرجہ بالا دو آیتیں جو ہم نے زینب کے قصے کے بارے میں قرآن سے نکل کی ہیں کلام خدا ہیں؟ کیا یہ خود ہی عیاں نہیں کہ یہ دونوں آیتیں بجائے وحی آسمانی ہونے کے خود حضرت محمد کی گھڑ نت ہیں جس کے آنحضرت اپنے عاشقانہ جرم کو چھپانے کی غرض سے مرتکب ہوئے۔

وحی آسمانی کا ایک اور فتویٰ جو حضرت محمد نے اپنے خانگی معاملات کے تبدلات کی تائید و تصدیق کے باب میں پیش کیا سورہ التحریم کی پہلی دو آیتوں میں پایا جاتا ہے۔اس فتویٰ کی رو سے آپ کو اپنی قسمیں توڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مفسرین اس قصہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت اپنی ایک لونڈی مریم نامی کی بہت قدر کرتے تھے اور آپ اُس پر ایسے فریفتہ ولدادہ ہوئے کہ آپ کی دیگر بہت سی زوجات حسد و رشک سے بھر گئیں اور نہایت سختی سے سرزنش کرنے لگیں اس پر آنحضرت نے قسمیہ وعدہ کیا کہ اب سے مریم سے کچھ سروکار نہیں رکھونگا لیکن کہنا آسان اور کرنا ہمیشہ مشکل ہے۔آپ نے اپنے نفسانی غلبات کا مغلوب ہو کر پھر رجوع کر لیا اور سب قسمیں کافور ہو گئیں اور آپ کی اس کارروائی کے جواز پر آپ کا فرمانبردار وحی آسمانی فوراً یہ پیغام لایا "اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر؟ تو اپنی عورتوں کی رضامندی چاہتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ٹھہرا دیا اللہ نے تم کو اُتار ڈالنا تمہاری قسموں کا) ان آیات کی مزید تفسیر و تحقیق کے باب میں ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ذی ہوش مسلمانوں سے درخواست ہے کہ ان آیتوں پر خوب سوچیں۔ کیا قرآن کے یہ الفاظ ازل ہی سے عرش الٰہی کے پاس لوح محفوظ پر مرقوم تھے؟ اس قصہ کے متعلق مسلم کی ایک حدیث قابل غور ہے۔اس سے آنحضرت کے خانگی معاملات و قوانین پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ مشکوات المصابیح

باب الاشارات النسا میں یوں مرقوم ہے "عائشة قالت کنت اغار على اللتی وھبن انفسھن لرسول اللہ صلعم۔ فقلت اتھب المراۃ نفسھا فلما انزل اللہ تعالیٰ ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک قلت ما اری ربک الا یسارع فی ھواک متفق علیہ"

"[12] (عائشہ نے کہا میں اُن عورتوں کی بابت سوچ رہی تھی جنہوں نے اپنے تئیں رسول کو دیدیا۔ پس بیٹے نے کہا یہ کیا بات ہے کہ عورت اپنے تئیں رسول کو دیدے اور خدا یہ پیغام بھیجے کہ اپنی موجودہ بیویوں میں سے تو جسے چاہے ترک کر اور ترک کردہ شدہ میں سے جسے چاہے پھر اپنی ہمخوابہ بنالے اس میں تیرے لئے کوئی گناہ نہیں ہے۔ میں نے کہا میں تو سوائے اسکے اور کچھ نہیں دیکھتی کہ تیرا خدا تیری خواہشیں پوری کرنے میں جلدی کرتا ہے۔

جہاد کے باب میں بھی قرآن میں بہت سے متضاد و متناقض احکام پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ہمیشہ حسب موقعہ و حسب ضرورت جیسا الہام چاہتے تھے گھڑ لیتے تھے۔ اگر قرآن کی تواریخی حقیقتوں کو مدنظر رکھ کر اس کا مطالعہ کیا جائے تو خوب عیاں ہو جائے گا کہ ابتدائے اسلام میں جب آپ بیکس ولاچار اور مظلوم تھے تو آپ کی تعلیم اپنے مومنین کو یہ تھی کہ جو مسلمان نہیں ہیں اُن سے نرمی اور بُردباری کے ساتھ

---

[12] سورہ الاحزاب آیت ۵۱

برتاؤ کیا جائے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں مرقوم ہے لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ "ترجمہ: دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے) لیکن جب آنحضرت کے دن پھرے اور بہت سے جنگجو اور لوٹ مار کے مشتاق عرب آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے تو وحی آسمانی میں بھی عجیب تبدیلی واقع ہوئی اور جبرائیل نے بآواز بلند پکار کہہ دیا"[13] ترجمہ "کافروں کو قتل کرو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خدا قائم ہو جائے) پھر جو سورہ سب سے پیچھے نازل ہوئی اُس کے الفاظ از بس سختی اور تشدد سے پُر ہیں اور کسی طرح سے صلح و نیک سلوک کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ چنانچہ یوں مرقوم ہے "[14] ترجمہ: اے نبی تو کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کر اور اُن پر سختی کر کیونکہ اُن کا مسکن جہنم ہے) پھر اس سورہ کی پانچویں آیت بھی قابل غور ہے "ترجمہ "مشرکوں کو قتل کرو جہاں کہیں اُنہیں پاؤ اور اُن کو پکڑو اور قید کرو اور تمام گھات کی جگہوں میں اُن کی گھات میں بیٹھو"۔

حضرت محمد نے بسا اوقات قرآن کے طرز بیان اور فصاحت و بلاغت کو منجانب اللہ ہونے کی دلیل اور ثبوت کے طور پر پیش کیا لیکن جب کبھی کوئی برجستہ فقرہ آنحضرت کے کان تک پہنچتا تھا تو فوراً اُسے داخل قرآن کر لیتے تھے تاکہ قرآنی فصاحت کی قدر و قیمت بڑھ جائے۔ اس قسم کے اندراج اور سرقوں کی بہت سی مثالیں عربی علم ادب سے بہم پہنچتی ہیں۔ چنانچہ بیضاوی کا بیان ہے کہ

"عبداللہ بن
سعد بن ابی سرح کان کاتب لرسول اللہ فلما نزلت ولقد خلقنا الانسان
من سلالۃ من طین فلما بلغ قولہ ثم انشأناہ خلقا اخر قال عبداللہ
فتبارک اللہ احسن الخالقین تعجبا من تفصیل خلق الانسان فقال
علیہ السلام اکتبہا فکذلک نزلت فشک عبداللہ وقال لئن کان
محمد صادقا لقد اوحی الی کما اوحی الیہ ولئن کان کاذبا لقد قلت
کما قال"

ترجمہ "عبداللہ بن سعد بن ابی سرح آنحضرت کا کاتب تھا۔ جب یہ الفاظ نازل ہوئے کہ ہم نے انسان کو سلالہ خاک سے پیدا کیا اور جب یہ الفاظ ختم ہوئے اور یہ الفاظ آئے کہ ہم نے پھر اس کو ایک اور مخلوق بنایا۔ اس پر عبداللہ جوش میں آکر بول اٹھا کہ اللہ احسن الخالقین مبارک ہو۔ اُس نے انسان کو عجیب طور سے پیدا کیا ہے۔ اسپر آنحضرت نے فرمایا کہ یہ بھی لکھ لو کیونکہ ایسا ہی نازل ہوا ہے لیکن عبداللہ نے شک کیا اور کہا کہ اگر محمد سچ کہتا ہے تو مجھ پر بھی وحی کا نزول ہوا ہے جیسا کہ اُس پر لیکن اگر وہ جھوٹ بولتا ہے تو میں نے وہی بات کہی ہے جو اُس نے کہی"۔

بیضاوی کے اس بیان سے اظہر من الشمس ہے کہ حضرت محمد کو عبداللہ کا یہ فقرہ ایسا پسند آیا کہ فوراً قرآن میں درج کرنے کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ ایسا ہی نازل ہوا ہے۔ عبداللہ اس سے بہت خوش ہوا اور اکثر فخریہ کہا کرتا تھا کہ خدا میرے پاس بھی وحی بھیجتا ہے لیکن آنحضرت اس سے بہت ناخوش ہوئے اور وحی آسمانی کی زبانی عبداللہ پر اپنے غضب کا یوں اظہار کیا" وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِىَ إِلَىَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَىْءٌ

---

[13]سورہ البقرہ آیت ۱۸۴

[14]سورہ التوبہ آیت ۷۴

ترجمہ: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے اللہ پر افتری باندھا یا کہا کہ خدا نے میری طرف وحی کو بھیجا درحالیکہ اس کی طرف وحی کو نہیں بھیجا ۔ سورہ انعام آیت ۹۳)۔ یہ حکایت امام حسین نے بھی بیان کیا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا طرز بیان یا اُس کی فصاحت وبلاغت کوئی معجزہ نہیں کیونکہ عبداللہ بن سعد کا کلام بھی قرآن کا ہمپایہ مان کر قرآن میں درج کیا گیا اور کسی طرح سے وہ فصاحت کے لحاظ سے کم درجہ کا نہیں سمجھا جاتا۔ علاوہ بریں جب آنحضرت نے اپنے ایک پیرو کے کلام کو سن کر پسند فرمایا اور قرآن میں درج کرانے کے لئے کہہ دیا کہ وحی آسمانی یونہی ہے تو کچھ تعجب نہیں بلکہ قرین قیاس ہے جو کہ حکایت وافسانے آپ نے وقتاً فوقتاً یہودیوں اور عیسائیوں سے سنے اُن کو وحی آسمانی کے نام سے داخل قرآن کر لیا۔

مشہور مسلمان مفسر جلال الدین السیوطی لکھتا ہے کہ آنحضرت اپنے پیروؤں کے وہ الفاظ وفقرات جو آپ کو پسند آتے قرآن میں درج کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اتقان میں یوں مرقوم ہے "**النوع العاشر فیمانزل من القرآن علیٰ لسان بعض الصحابته**" (دسویں قسم وہ ہے جس میں قرآن کے وہ حصے مندرج ہیں جو آنحضرت کے بعض اصحاب کی زبان پر نازل ہوئے)۔

ایک اور حدیث ترمذی نے ابن عمر کی روایت سے لکھی ہے کہ **رسول اللہ صلمہ قال ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقبلہ** "(رسول صلعم نے فرمایا کہ اللہ نے یقیناً سچائی کو عمر کے دل وزبان پر رکھا ہے۔ آنحضرت اس قدر عمر کے الفاظ کو استعمال کیا کرتے تھے کہ آپ کے اصحاب کہنے لگے " **الانزل القرآن علے نحو ماقال عمر** "کیا قرآن ایسا ہی نازل نہیں ہوا جیسا کہ عمر بولتا ہے)۔ مجاہد لکھتا ہے "**کان عمر یری الریٰ نزل بہ القرآن** "(قرآن عمر کی رائے کے مطابق نازل ہوتا تھا) ان احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآ کے بعض حصوں کا حقیقی مصنف ہی عمر تھا۔ کتب اسلام میں اس قسم کے بیانات بکثرت ملتے ہیں چنانچہ قرآن میں لکھا ہے "**مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ**[15] ترجمہ: جو کوئی جبرائیل یا میکائیل کا دشمن ہے۔ یقیناً خدا کافروں کا دشمن ہے" یہ الفاظ پہلے عمر نے کسی یہودی سے ہمکلام ہوتے وقت استعمال کئے تھے لیکن آنحضرت کو ایسے پسند آئے کہ آپ نے فوراً انہیں قرآن کا ایک جزو بیان فرمایا۔ یہ تمام قصہ بیضاوی نے یوں لکھا ہے

انہیں قرآن کا ایک جزو بیان فرمایا۔ یہہ تمام قصہ بیضاوی نے یوں لکھا ہے قیل
دخل عمر رضی اللہ عنہ مدارس الیھود یوما فسالھم عن جبریل
فقالوا ذلک عدونا یطلع محمد علیٰ اسرارنا وانہ صاحب کل خسف وعذاب
ومیکائیل صاحب الخصب والسلام فقال وما منزلتھما عن اللہ تعالیٰ
قالوا جبریل عن یمینہ ومیکائیل عن یسارہ وبینھما عداوۃ فقال
لئن کان کما تقولون فلیسا بعدوین ولانتم اکفر من الحمیر ومن کان
عدو احدھما ھو عدو اللہ تعالیٰ ثم رجع عمر فوجد جبریل
قد سبقہ بالوحی فقال علیہ السلام لقد وافقک ربک یا عمر

15

"(کہتے ہیں کہ ایک بار عمر یہودی مدرسہ میں گیااوراُن سے جبریل کی بابت پوچھا۔اُنہوں نے کہاوہ ہمارادشمن ہے۔ وہ ہمارے بھید محمد کو بتاتا ہے۔ نیز وہ غضب اور عذاب کا قاصد ہے۔ بخلاف اس کے میکائیل آسودگی اور مرفہ حالی کا فرشتہ ہے۔ تب عمر نے پوچھا کہ خدا کے حضور میں ان کا کیا رتبہ ہے؟ یہودیوں نے جواب دیا کہ جبرائیل خدا کے دائیں طرف اور میکائیل بائیں طرف رہتا ہے اور اُن دونوں میں دشمنی ہے۔ لیکن عمر نے کہا خدا نہ کرے کہ تمہارا کہنا سچ ہو۔ وہ دشمن نہیں ہیں لیکن تم نبی حمیر سے بھی بڑھ کر کافر ہو۔ جو کوئی ان دونوں فرشتوں میں سے کسی کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ تب عمر وہاں سے لوٹااور دیکھا کہ جبرئیل اس سے پہلے پیغام لاچکا ہے اور آنحضرت نے فرمایااے عمر تیرے رب نے تجھ سے اتفاق کیا ہے۔

ایک اور صحیح حدیث بخاری سے ملتی ہے جس سے قرآن کے اور تین مقامات کا پتہ ملتا ہے اور اُنکی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بخوبی تمام پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حضرت محمد نے زیادہ تر اپنے اصحاب کے اقوا کو قرآن میں درج کیا ہے۔ اگر ان احادیث کا معقول طور سے ٹھیک مطلب نکالا جائے تو وحی آسمانی کی معرفت قرآن کے نازل ہونے کا دعویٰ بالکل باطل ٹھہرتا ہے اور جیسا کہ اس کتابچہ کے شروع میں کہا گیا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن آنحضرت کی اپنی طبعیت کے نتائج کا مجموعہ ہے۔ بخاری کی مذکورہ بالا حدیث میں یوں درج ہے:

اخرج البخاري وغيره عن الفحص قال عمر ابن خطاب وافقت ربي في ثلاث قلت يا رسول الله لو اتخذنا من مقام ابراهيم مصلي فنزلت واتخذوا من مقام ابراهيم مصلي وقلت يا رسول الله ان نسائك يدخل عليهن البر والفاجر فان مرتهن يحتجبن فنزلت اية الحجاب واجتمع على رسول الله نساوه في الغيرة فقلت لهن عسي ربه ان طلقكن ان يبدله ازواجاً خيراً منكن فنزلت كذالك

(بخاری اور بعض اوروں نے لکھا ہے کہ عمر ابن خطاب نے کہا تین باتوں میں میں نے خدا سے (یعنی قرآن سے) اتفاق کیا۔ اول یہ کہ میں نے کہااے رسول اللہ اگر ہم مقام ابراہیم پر اپنی نمازیں ادا کیا کرتے تو بہتر ہوتا۔ خدا نے نازل فرمایا کہ مقام ابراہیم پر نماز ادا کرو۔ دوم میں نے کہا یا رسول اللہ اچھے بُرے ہر طرح کے لوگ آپ کے گھر پر آتے ہیں اگر آپ اپنی زوجات کو پردہ میں رکھیں تو بہتر ہوگا۔ اس پر خدا نے آیتہ الحجاب نازل فرمادی۔ سوم جب آنحضرت کی زوجات جھگڑتی تھیں تو میں نے اُن سے کہا کہ ممکن ہے کہ خدا تم کو طلاق دلوادے اور رسول کو تمہارے عوض میں تم سے بہتر بیویاں دے اور تب بالکل جیسا میں نے کہا تھا ویسا ہی خدا کی طرف سے وحی پیغام لایا)۔ چنانچہ یہ تینوں آیات جن کا عمر نے ذکر کیا سورہ البقرہ اور سورہ التحریم میں موجود ہیں۔

قرآن کے اور بہت سے مقامات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جو آنحضرت نے اپنے اصحاب سے سن کر داخل قرآن کر لئے لیکن اس کتابچہ میں زیادہ کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی اس امر کی مزید تحقیقات کا مشتاق ہو تو ڈاکٹر عماد الدین کی کتاب مسمی بہ ہدایت المسلمین کو پڑھ جس میں یہ امر نہایت شرح وبسط کے ساتھ مفصل مندرج ہے۔ تاہم ہم نے اس امر کو بخوبی ظاہر کر دیا ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی اور جبرائیلی پیغاموں کا مجموعہ ماننے کا عقیدہ بالکل باطل وبے بنیاد ہے۔ ممکن ہے کہ آنحضرت نے اپنے ابتدائے حال میں اور خصوصاً جب آپ نے توحید باری کی حقیقت کو محسوس کیا غلطی سے یہ خیال کر لیا ہو

کہ میرے خیالات الٰہی الہام پر مبنی ہیں لیکن اس میں بالکل کلام نہیں اور قرآن خود شاہد ہے کہ بعد میں آپ نے دیدہ ودانستہ اپنے ضمیر کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر بہت سے الہام خود گھڑ لئے اور اپنی مطلب براری کی غرض سے اس اختراع وافترا کا نام وحی آسمانی رکھا۔

قرآن کی بہت سی عبارات کا وجود تو اس وقت کے دیگر مذاہب کے اُن عقائد ورسوم سے ہے جن تک آپ کی رسائی ہوئی اور آپ کے آس پاس کے بُت پرستوں کی بہت سی باتیں بھی جن کو آپ حسب مقصد ردوبدل کرکے کلام میں لاسکے داخل قرآن کرلی گئیں لیکن آپ بڑے دعوےٰ سے یہی کہے چلے جاتے ہیں کہ قران کا لفظ اور حرف حرف جبرائیل آسمان پر سے لایا ہے اور قرآن پہلی کتابوں کا مصدق ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ کی ۵۲ ویں آیت میں مرقوم ہے" مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ ترجمہ: تصدیق کرتاہوں پہلی کتابوں کی)۔یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں کی بابت جیساخود حضرت نے تسلیم کیا سورہ الانعام کی ایک ۱۵۵ آیت میں مندرج ہے" تَمَامًا عَلَى الَّذِيَ أَحْسَنَ وَتَفْصِيلاً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً ترجمہ : تمام اچھی باتوں کے لحاظ سے کامل اور تفصیل ہر بات کی اور ہدایت ورحمت)۔ پس جب یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں کو آنحضرت بھی ایسا تسلیم کرتے ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ پھر قرآن کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ اگر کوئی بائبل شریف کو غور سے اور تعصب کی عینک اُتار کر پڑھے تو معلوم ہوجائے گا اور کسی طرح کا شک وشبہ باقی نہیں رہیگا۔ کہ مسیحی دین کی تعلیمات اُس وقت کے لئے ہیں جب مسیح دوبارہ آکر جہان کا انصاف کریگا۔انجیل کی منادی کا تمام اقوام تک پہنچنا ضرور ہے اور مسیح کی بادشاہت ہے جس کا کبھی خاتمہ نہیں ہوگا۔انجیل شریف میں کفارہ کا کام پورا ہوچکا اور اب صرف یہ مسیحیوں کا کام ہے کہ تمام جہان کو اُس نجات کی خوشخبری سنادیں جو مسیح کے خون کے وسیلہ سے حاصل ہوتی ہے۔پس اب اور الہام یا قرآن کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ مسیحی ہی "اول" اور آخر[16]" ہے اور "آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس کے وسیلہ سے ہم نجات پاسکیں[17]"۔

مسلمان محققین سے درخواست ہے کہ ان حقیقتوں پر غور کریں اور اگر ایسا کریں تو ان پر یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہوجائے گی کہ قرآن کا وحی آسمانی اور خدا کی طرف سے ہونا بالکل ناممکن ہے۔ اگرچہ قرآن میں لکھا ہے کہ انجیل پر ایمان لانا ضروری ہے یا یوں کہیں کہ قرآن ہر ایک مسلمان کو انجیل پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے تو بھی انجیل پر ایمان لانے کا نتیجہ قرآن کا رد کرنا ہوگا کیونکہ قرآن بہت سے انجیلی حقائق کا منکر ہے۔ حاصل کلام مسلمان عجیب مشکل میں مبتلا ہیں۔ان کی دینی کتاب ان کو اس کتاب پر ایمان لانے کا حکم دیتی ہے جس سے اُن کے دین کا پول بخوبی کھل جاتا ہے۔اُن کو حکم ہے کہ دو نقیضوں پر ایمان لائیں۔اُن کو حکم ہے کہ عیسیٰ کو نبی قبول کریں اور ساتھ ہی حضرت محمد پر بھی ایمان لائیں۔اُن کو یہ بھی حکم ہے کہ پہلی کتابوں کو کلام اللہ مانیں اگرچہ اُن کتابوں میں صاف بیان ہے کہ یہودی تواریخ مسیحیت میں آکر کامل ہوتی ہے پھر اُن کو انجیل پر ایمان لانے کا حکم ہے اگرچہ انجیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انجیل ہی آخری الہامی کلام ہے اور محمد کے لئے یہ دعویٰ کرنے کا کوئی موقعہ باقی نہیں ہے کہ میں خاتم النبیین

---

[16] انجیل مکاشفات پہلا باب ۱۷ ویں آیت ۔

[17] انجیل اعمال چوتھا باب ۱۲ ویں آیت۔

ہوں۔اس کتابچہ کے پڑھنے والے سے التماس ہے کہ ان پہلی مقدس کتابوں کو غور سے پڑھیں جن کی حضرت محمد نے بہت تعریف توصیف کی ہے اور اُن میں حیات کی راہ ملیگی۔

تمت بالخیر